شعروادب

ماسوا اللہ کے لیے آگ ہے تکبیر تری

● ....علامہ ڈاکٹر محمد اقبالؒ

چشمِ اقوام سے مخفی ہے حقیقت تیری — ہے ابھی محفلِ ہستی کو ضرورت تیری
زندہ رکھتی ہے زمانے کو حرارت تیری — کوکبِ قسمتِ امکاں ہے خلافت تیری
وقتِ فرصت ہے کہاں ، کام ابھی باقی ہے
نورِ توحید کا اتمام ابھی باقی ہے

مثلِ بو قید ہے غنچے میں پریشاں ہوجا — رخت بر دوشِ ہوائے چمنستاں ہوجا
ہے تنک مایہ' تو ذرے سے بیاباں ہوجا — نغمۂ موج سے ہنگامۂ طوفاں ہوجا
قوتِ عشق سے ہر پست کو بالا کردے
دہر میں اسمِ محمد سے اجالا کردے

ہو نہ یہ پھول' تو بلبل کا ترنم بھی نہ ہو! — چمنِ دہر میں کلیوں کا تبسم بھی نہ ہو
یہ نہ ساقی ہو تو پھر مے بھی نہ ہو ، خم بھی نہ ہو — بزمِ توحید بھی دنیا میں نہ ہو، تم بھی نہ ہو
خیمہ افلاک کا استادہ اسی نام سے ہے
نبضِ ہستی تپش آمادہ اسی نام سے ہے

دشت میں' دامنِ کہسار میں' میدان میں ہے — بحر میں' موج کی آغوش میں' طوفان میں ہے
چین کے شہر' مراقش کے بیابان میں ہے — اور پوشیدہ مسلمان کے ایمان میں ہے
چشمِ اقوام یہ نظارہ ابد تک دیکھے
رفعتِ شانِ رَفَعۡنَا لَكَ ذِكۡرَكَ دیکھے

عقل ہے تیری سپر ، عشق ہے شمشیر تری — مرے درویش ! خلافت ہے جہانگیر تری
ماسوا اللہ کے لیے آگ ہے تکبیر تری — تو مسلماں ہو تو تقدیر ہے تدبیر تری

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

☆☆☆☆☆

اداریہ

شرعی اصول وقیود کی اہمیت

شمس الحق ندوی

اپنی بات شروع کرنے سے پہلے اصل موضوع کو سمجھنے کے لیے مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کا ایک دو دو چار کی طرح سمجھ میں آنے والا واقعہ سنا دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

حضرت مولاناؒ کی نوجوانی کا زمانہ تھا، اس وقت سفر تنہا فرمایا کرتے تھے، ایک سفر میں حضرت جس ڈبہ میں تھے اس میں درس نظامی کے پڑھنے والے چند طلباء اونچے درجات کے سفر کر رہے تھے، اس میں ایک پڑھے لکھے غیر مسلم بھی سوار تھے، انھوں نے ان طلبہ سے سوال کیا کہ نمازوں میں رکعات کی تعداد کسی وقت تین، کسی وقت چار مقرر کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ نماز تو عبادت ہے، دو کے بجائے چار پڑھ لے، تین کے بجائے پانچ پڑھ لے، چار کے بجائے آٹھ پڑھ لے، ان طلبہ نے اپنے منطقی دلائل سے بتانا چاہا، وہ صاحب سوال کرتے جاتے اور طلبہ اپنے منطقی جواب سے ان کو خاموش کرتے جاتے، وہ خاموش تو ہوئے لیکن مطمئن نہ ہوئے، حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ سوال و جواب کی ساری بحث خاموشی سے سن رہے تھے، جب دیکھا کہ غیر مسلم سوال کرنے والے خاموش تو ہوئے مگر مطمئن نہیں ہوئے تو حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اجازت ہو تو ہم کچھ عرض کریں، سب نے کہا: ہاں ہاں!! تو حضرت مولاناؒ نے غیر مسلم صاحب کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ بتائیے کہ فوجی پریڈ میں اگر پریڈ کرنے والے فوجی لفٹ (بائیں) کے کاشن پر رائٹ (دائیں) قدم اٹھائیں اور رائٹ کے کاشن پر لفٹ پیر اٹھائیں اور کہیں کہ مقصد پاؤں اٹھانا ہے جو پاؤں چاہیں اٹھائیں؟ ان صاحب نے برجستہ کہا کہ نہیں ایسا کیسے ہوسکتا ہے جو فوج کا اصول ہے، اسی کے مطابق قدم اٹھانا ہوگا۔ تو حضرت مولاناؒ نے فرمایا کہ یہی بات نماز کی رکعتوں میں بھی ہے، شریعت نے جو متعین کر دیا ہے، اس پر عمل کرنا ہوگا، وہ صاحب فوراً مطمئن ہوئے اور کہا: بالکل صحیح! اب بات سمجھ میں آگئی۔

شریعت اسلامی نے جو اصول وضابطے اور حدود وقیود متعین کیے ہیں، ان کی حکمت ومصلحت یہی ہے کہ انسانی مزاج، اس کی خواہشات، حرص وہوس، حب مال وجاہ، شہرت وناموری کا شوق ایسا ہے کہ اگر شرعی احکامات اور پابندیاں نہ ہوں، تو آدمی مذکورہ خواہشات کو پورا کرنے کے لیے کچھ بھی کرسکتا ہے، قتل، لوٹ مار، دوسروں کا حق مارنا، ظلم وزیادتی، فحش کاری، بے حیائی، غرض ہر وہ کام کرسکتا ہے جس سے امن وسکون، عفت وپاکبازی اور آپسی پیار ومحبت ختم ہوجائے، اور انسانی آبادی درندوں اور بھیڑیوں کی آبادی میں تبدیل ہوجائے۔

اس وقت کھلی آنکھ نظر آرہا ہے کہ جہاں شرعی حدود وقیود کو غلط پابندی سمجھا جارہا ہے، وہاں کا ماحول کتنا خوفناک وگھناؤنا ہے، علماء ودعاۃ اور مبلغین ومصلحین جب ان شرعی حدود وقیود کو اپنانے کی دعوت دیتے ہیں، تو دنیا کی محبت میں ڈوبے ہوئے بہت سے لوگ یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر طرح کی آزادی اور وسعت دی ہے، علماء نے دین کو بڑا تنگ اور مشکل بنا دیا ہے۔

دہلی میں ایک نواب فیض اللہ خاں تھے جو بڑے بے باک اور آزاد مشرب تھے، جو جی میں آتا بے جھجک کہہ دیتے، شاہ محمد یعقوب مجددی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ لوگ مجھے بھی ان سے ڈراتے تھے، میں ان کی باتیں سن لیتا تھا، ایک مرتبہ کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے تو ہر طرح کی آزادی اور وسعت دی ہے، علماء نے دین کو بڑا تنگ اور مشکل بنا دیا ہے اور ہر طرح کی پابندیاں عائد کر دی ہیں، فطرت پابندیوں سے گھبراتی ہے۔

میں نے کہا کہ ایک مدرسہ ہے جس میں پابندیاں ہیں، لباس کی پابندی، نظام کی پابندی، اوقات کی پابندی، تعلیم اور امتحانات کی پابندی، دوسرا مدرسہ ہے جس میں کوئی پابندی نہیں ہے، ہر طرح کی آزادی ہے، جب جی چاہے آؤ، جتنا جی چاہے پڑھو، پڑھو نہ پڑھو، جب تک جی چاہے رہو، جو جی چاہے پہنو، لوگ

اپنے بچوں کو پہلے مدرسہ میں داخل کریں گے یا دوسرے مدرسہ میں، کہنے لگے پہلے مدرسہ میں، دوسرے مدرسہ میں تو کوئی بھی اپنے لڑکے کو داخل کرکے اس کی عمر کو ضائع اور اس کو آوارہ نہیں بنائے گا، میں نے کہا بس اسلام بھی پہلے ہی قسم کا مدرسہ ہے، پابندیاں اور اس کے احکامات، اصلاح و تربیت اور نظم و نظام قائم رکھنے کے لیے اور انسان کے فائدے ہی کے لیے ہیں، ان واجبی اور ضروری پابندیوں سے کہیں بھی اور کسی کو چارہ نہیں ہے، اس پر وہ خاموش ہوگئے، بہت سے جدید تعلیم یافتہ اور آزاد خیال لوگوں کی مثال نواب صاحب جیسی ہے، اس لیے وہ بہت سی شرعی پابندیوں اور علماء کی مخالفت کرتے ہیں۔

ماحول سے متاثر ہوکر اس وقت عمومی طور پر مسلمانوں کا حال یہ ہو رہا ہے کہ وہ شرعی اصول وضوابط کو ترقی کی راہ ہیں رکاوٹ تصور کرتے ہیں، شہرت و ناموری کے شوق میں سودی رقمیں لے کر شادیوں میں غیر ضروری اخراجات کرتے ہیں، کاروبار میں بھی یہی راہ اپناتے ہیں، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جائدادیں نیلام ہوتی ہیں، گھر بک جاتے ہیں، خودکشی کے واقعات ہوتے ہیں، حالانکہ بقدر کفاف پر ضرورت پوری ہوتی رہتی ہے لیکن شہرت و ناموری کے شوق میں شریعت کی خلاف ورزی کرکے اپنے آپ کو خود مصیبت میں ڈالتے ہیں۔

شرعی اصول وضوابط نے تو بڑی سہولت و آسانیاں رکھی ہیں مگر شہرت کی حرص و ہوس کے شوق میں خود اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو مصیبت میں ڈالتے ہیں، بہت سے دیندار لوگوں کو دیکھا کہ خلاف شرع کام کرکے اپنے آپ کو پریشانی میں ڈالا، شریعت نے خواہشات انسانی کو دبایا نہیں ہے بلکہ اس کی پاکیزہ اور مطابق فطرت شکلیں بتائی ہیں جن کو اپنا کر انسانی معاشرہ سکون و آرام کی زندگی گذار سکتا ہے لیکن انسان شیطان کے دھوکہ میں آکر مصیبت اور پریشانی والی راہ کو اپنا کر اپنے کو عذاب میں ڈالتا ہے ایسا کہ رونے کو آنسو نہیں ملتے۔

☆☆☆☆☆

آل انڈیا مسلم پرسنل لابورڈ- کام و پیام

بورڈ کے سامنے جو کام ہے وہ شریعت اسلامی سے تعلق رکھتا ہے جو کہ دینی فریضہ ہے، اسلام میں دین کی اہمیت دنیا کی اہمیت سے زیادہ اور لازمی حیثیت کی حامل ہے، اور مسلمان اس کے پابند ہیں، اگر دینی ضرورت سامنے ہو اور اس کے لیے بھوکا رہنا ہو، تو مسلمان بھوکا رہ سکتا ہے، دنیاوی مفادات کو قربان کرنا پڑے، تو اس کو قربان کرسکتا ہے لیکن دینی حکم کو قربان نہیں کرسکتا، مذہبی احکام ہم کو ہمارے رب کی طرف سے دیے ہوئے ہیں، اور ہماری دنیاوی مفادات کے مقابلہ ہماری دینی مصلحت کے تحت ہوتے ہیں، ہم اپنی دنیاوی مصلحت کو اللہ و رسولؐ کی طرف سے مقرر کردہ حکم کے سامنے جھکا دیتے ہیں، لیکن مذہبی مصلحت کو نظر انداز نہیں کرتے، اس ملک کے دستور نے ہم کو مذہبی تقاضوں کے سلسلہ میں اختیار دیا ہے، اور ہم اس کی بنا پر اپنے مذہبی احکام پر عمل کرتے ہوئے اپنی ضرورت کے مطابق زندگی گذارتے ہیں، دستور کے اس دیے ہوئے حق کی بقاء کی فکر کا کام آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے اپنے ذمہ لیا ہے، اور بورڈ کو مسلمانوں کے تمام فرقوں اور ملی جماعتوں کی شرکت اور تعاون حاصل ہے، تحفظ شریعت کے علاوہ دیگر ملی معاملات ملت کی دیگر جماعتوں اور اداروں میں تقسیم ہیں، اس ملک میں مسلمان اگرچہ اقلیت میں ہیں لیکن وہ ایک بڑی امت اور بڑی حیثیت رکھتے ہیں، جس کے مسائل و معاملات مختلف قسم کے ہیں، وہ سیاسی بھی ہیں اقتصادی بھی، ثقافتی بھی اور ملکی معاملات سے بھی تعلق رکھتے ہیں، ان مسائل کی فکر اور کوشش کے سلسلے میں مسلمانوں کی دیگر جماعتیں ہیں، اور وہ اپنا اپنا فریضہ انجام دیتی ہیں، ان کی اہمیت کو سمجھتا ہے، اور بورڈ ان کے کام کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور اپنے کو تحفظ شریعت کے معاملات سے وابستہ سمجھتا ہے۔

مرشد ملت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ

مرجع وماویٰ

جزیرۃ العرب اور آسمانی مذاہب

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

جزیرۃ العرب کے حدود

جزیرۃ العرب اپنے طول وعرض میں دنیا کا سب سے بڑا جزیرہ نما ہے، علمائے عرب مجازاً اس پر جزیرۃ العرب کا اطلاق کرتے ہیں، اس کے تین طرف پانی ہے، یہ ملک ایشیا کے جنوب مغرب میں واقع ہے، اس کے مشرق میں خلیج عرب ہے، جسے یونانی خلیج فارس کے نام سے جانتے ہیں، اس کے جنوب میں بحر ہند ہے اور اسکے مغرب میں بحر احمر ہے جیسا کہ ان جدید نقشوں میں دکھایا جاتا ہے، اور یونانی ولاطینی اصطلاح میں اس کو خلیج عرب (SINUS ARABICUS) کے نام سے نمایاں کیا جاتا ہے، اور قدیم عربی کتابوں میں بحر قلزم کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اس کی شمالی حدود مفروضہ سرحدی خط ہے جو (علمائے عرب کی اصطلاح میں) خلیج عقبہ سے خلیج عرب میں شطّ العرب کے دہانے تک گذرتا ہے۔

مسلمانوں کے جزیرۃ العرب کو پانچ قسموں پر تقسیم کیا جاتا ہے: ۱-حجاز: جوایلہ (عقبہ) سے یمن تک ہے اوران کی رائے میں حجاز اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ اس پہاڑی سلسلے پر مشتمل ہے، جو تہامہ کو (جو بحر احمر کے ساحل کی نشیبی زمین ہے) نجد سے الگ کرتا ہے، ۲- تہامہ: جس کا ابھی بیان ہوا، ۳-یمن، ۴-نجد: یہ وہ مرتفع حصہ ہے جو حجاز کے پہاڑوں سے شروع ہوکر مشرق میں صحرائے بحرین تک چلا جاتا ہے، یہ وسیع ومرتفع علاقہ ہے جس میں بہت سے ریگستان اور پہاڑ واقع ہیں، ۵-عروض: اس کے مشرق میں بحرین، اور مغرب میں حجاز ہے، اسے عروض یمن اور نجد کے درمیان میں ہونے کی وجہ سے کہتے ہیں، اسے یمامہ بھی کہا جاتا ہے۔

جزیرۃ العرب کے طبعی حالات اور اس کے باشندے

اس پورے جزیرہ نما پر صحرائیت کا غلبہ ہے اور طبعی عوامل اور ارضیاتی حوادث اور اپنے جغرافی جائے وقوع کے سبب اس پر خشکی غالب ہے، اسی وجہ سے ماضی اور زمانۂ حال میں اس کے باشندوں کی تعداد بہت کم رہی ہے، اور متمدن معاشرے اور بڑی مرکزی حکومتیں وجود میں نہ آسکیں، بدویت اوراس کے دیہاتی رنگ، انفرادیت کے شدید رجحان، قبائل کے جنگ و جدال کے سبب تمدن سرسبز علاقوں اوران جگہوں میں سمٹ کر رہ گیا ہے جہاں اچھی بارش ہوتی یا سوتے اور چشمے پھوٹتے تھے، یا جہاں پانی سطح زمین سے قریب ہوتا اوراس میں کنویں کھودے جاسکتے تھے، اس لیے کہنا چاہیے کہ جزیرۃ العرب میں زندگی کی سرگرمی پانی کی بدولت باقی رہتی تھی، چنانچہ قافلے اسی کا رخ کرتے اوراسی کی تلاش میں رہتے، اور فطرت اعراب کو ہر جگہ سے لاکر شاداب علاقوں میں جمع کردیتی تھی، وہ کسانوں کی طرح زمین سے ایک جگہ چمٹے نہیں رہتے تھے بلکہ کسی سرزمین پر وہ اسی وقت تک قیام پذیر رہتے تھے، جب تک وہاں جانوروں کے لیے گھاس چارہ اوران کے لیے پانی رہتا تھا، اور جب یہ سہولت ختم ہوجاتی تو وہ نئی جگہوں کی تلاش میں چل پڑتے تھے۔

اس وجہ سے ان کی زندگی جفاکشی اور سختی کا نمونہ تھی، اوران کی سوسائٹی قبیلہ کی شکل اختیار کرلیتی، قبیلہ ایک بدوی کے لیے حکومت وقومیت کے مرادف ہوتا تھا اور یہ قبائلی زندگی راحت طلبی اور استقرار واستحکام سے ناآشنا ہوتی اور صرف قوت کی زبان سمجھتی، یہ ایسی زندگی تھی جوانسانوں کے لئے مشقت ومصیبت ہی لاتی تھی، اور پڑوس کی متمدن آبادیوں کے لیے بھی خطرہ بنی رہتی تھی، چنانچہ وہ آپس میں بھی لڑتے رہتے تھے، اوراس سے فرصت پاکر متمدن آبادی سے برسرِ پیکار ہوجاتے تھے، لیکن دوسرے لحاظ سے ایک عرب اپنے قبیلے کے آداب وروایات کے سلسلے میں بڑا وفادار اور مخلص ہوتا تھا، وہ موقع پر ایسا شریف النفس میزبان ہوتا جو مہمانی کے تمام فرائض بخوشی انجام دیتا، جنگی معاہدوں کا پابند ہوتا، دوستی کا حق ادا کرتا اور رسم و رواج کا آخری حد تک احترام کرتا تھا، ان تمام خصوصیات کی گواہی ان کے شعروادب حکم وامثال اوراقدار واطوار سے بکثرت ملتی ہے۔

ایک عرب مساوات کا دلدادہ، حریت کا عاشق، حقیقت پسند، فعال اور عملی انسان ہوتا تھا، وہ رکیک اور پست حرکتوں سے پرہیز کرتا تھا، وہ اپنی محدود زندگی اور بدویت پر نہ صرف راضی بلکہ نازاں اوراپنے مقدر پر خوش اور مطمئن تھا، مذہب سے ان کا علاقہ اکثر کمزور ہوتا، ان کا ایمان اپنے قبائلی رسوم اور آبائی روایات پر اس سے کہیں زیادہ پختہ ہوتا تھا، ان کا اخلاقی نصب العین ان شریفانہ ومردانہ صفات

سے عبارت تھا جسے وہ لفظ 'مروءت' سے تعبیر کرتے اور اپنے شعروادب میں جس کے گیت گاتے اور کلمہ پڑھتے ہیں۔

تمدنی وثقافتی مراکز

ان جگہوں میں جہاں بارش، چشمے یا کنووں کا پانی وافر طور پر ہوتا وہاں قریوں اور دیہاتوں اور موسمی بازاروں اور میلوں کی شکل میں ایک تمدن وجود میں آجاتا تھا، ان چیزوں کا عربوں کی زندگی پر عمومی اثر پڑتا تھا، زندگی کے ان مرکزوں میں وہ معاشرے اور ماحول پیدا ہوتے جن کا خاص رنگ اور مستقل طرز ہوتا جن میں آب وہوا، صنعتوں اور پیشوں اور اس معاشرہ کے اقتصادی حالات کا الگ الگ رنگ نمایاں ہوتا تھا، چنانچہ مکہ میں ایک خاص معاشرہ تھا، جس کا امتیاز بالکل الگ تھا، اسی طرح اہل حیرہ، اہل یثرب کے معاشرے اپنی اپنی خصوصیات رکھتے تھے، یمن کا معاشرہ عرب معاشروں میں اپنے مخصوص حالات، قدیم تمدنی تاریخ اور نئے سیاسی وجوہ سے سب سے زیادہ ترقی یافتہ تھا، اور غلہ کی پیداوار، جانوروں کی پرورش، معدنیات سے استفادہ، محلوں اور قلعوں کی تعمیر میں بہت بڑھا ہوا تھا، صنعتوں اور ضروریات زندگی کے لیے وہ باہر سے سامان اور آلات درآمد کرتا اور عراق، شام اور افریقہ سے تجارتی تعلقات بھی رکھتا تھا۔

اہل عرب کے طبقات اور قسمیں

راویوں اور مورخوں کا قدیم عربوں کی اس تقسیم پر تقریباً اتفاق ہے کہ وہ تین قسموں پر مشتمل ہے: ۱- عرب بائدہ (جو اسلام سے پہلے ختم ہو چکے تھے) ۲- عرب عاربہ (بنو قحطان جو عرب بائدہ کے بعد ہوئے) ۳- عرب مستعربہ (حضرت اسماعیلؑ کی اولاد جو حجاز میں آباد ہوئی) وہ نسب کے لحاظ سے اہل عرب کی دو قسمیں کرتے ہیں: ۱- قحطانی جن کی آبادی کا ابتدائی مرکز یمن تھا، اور ۲- عدنانی جو پہلے حجاز میں آباد تھے، اسی طرح ماہرین انساب عدنان کی دو شاخیں بتاتے ہیں، ایک ربیعہ دوسری مضر، قحطانی وعدنانی قدیم زمانہ سے ایک دوسرے کے رقیب وحریف تھے، اسی طرح ربیعہ ومضر کے درمیان بھی صدیوں سے عداوت ومقابلہ چلا آرہا تھا، ماہرین انساب کا اس پر اتفاق ہے قحطانی اصل اور زیادہ قدیم ہیں، اور عدنانی ان کی شاخ ہیں، جنھوں نے ان سے عربی سیکھی، اور پھر حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد نے حجاز میں ہجرت کے بعد اپنا لیا، حضرت اسمٰعیلؑ عرب مستعربہ یعنی عدنانیوں کے جدامجد ہیں۔

اہل عرب انساب کا خاص خیال رکھتے اور اسے بڑی اہمیت دیتے ہیں، جس کا اعتراف عجمی اہل نظر نے بھی ہمیشہ کیا ہے، چنانچہ ایرانی سپہ سالار اعظم رستم نے اپنے درباریوں کو (جب وہ مسلمانوں کے سفیر حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کے پھٹے کپڑوں اور خستہ حالی کے سبب حقارت کی نظر سے دیکھ رہے تھے) تنبیہ کی کہ تم عجیب احمق ہو، عرب کھانے اور لباس کو اہمیت نہیں دیتے بلکہ وہ اپنے حسب ونسب کی حفاظت کرتے ہیں۔

لسانی وحدت

اس وسیع ملک کے لیے (جو ایک برصغیر کے برابر ہے) یہ بات ذرا بھی تعجب خیز نہ ہوتی کہ اس میں زبانوں کی کثرت اور تنوع ہوتا کیونکہ قبیلوں کے درمیان خاصے طویل فاصلے ہیں، اور اس لیے بھی کہ جنوبی علاقے کے لوگ شمالی علاقے کے لوگوں سے اور مشرقی علاقے کے لوگ مغربی علاقے کے لوگوں سے مشکل سے ملتے تھے، قبائلی عصبیت اور نسلی احساس برتری کا بھی شکار رہتے تھے، اور روم وایرانی سرحدوں کے قریب رہنے والے عرب قبائل ان کی زبانوں سے قدرتاً کم وبیش متاثر بھی تھے اور یہ ناگزیر بھی تھا، چنانچہ انھیں اسباب کی وجہ سے وسط یورپ اور ہندوستان کے تحتی براعظم میں زبانوں کی حیرت انگیز حد تک کثرت ہے دستور ہند میں تسلیم شدہ قومی زبانوں کی تعداد پندرہ ہے، اس میں بعض مستقل زبانیں بھی ہیں جن کے بولنے والوں کو ترجمان کی ضرورت پڑتی ہے یا انگریزی سے کام لینا پڑتا ہے۔

لیکن جزیرۃ العرب کا اپنی وسعت اور قبائل کی کثرت کے باوجود شروع سے طرّہ امتیاز رہا ہے کہ ظہور اسلام سے اس وقت تک اس کی ایک ہی مشترک زبان عربی ہے، جو ہمیشہ سے اس جزیرہ کے رہنے والے بدوی اور متمدن قحطانی وعدنانی لوگوں کے بول چال اور باہمی تعلقات کی زبان رہی ہے، جس میں اگرچہ لہجوں اور مقامی بولیوں کا قدرتی اختلاف موجود ہے، (جو فلسفۂ زبان، جغرافی اور علیحدگی پسندیدگی کے رجحانات سے پیدا ہوتا ہے، فاصلوں سے لہجوں کا فرق پیدا ہونا ناگزیر بھی ہے) تاہم اس میں ایک لسانی وحدت بھی موجود رہی ہے، دعوت اسلامی کے لیے سہولت، اشاعت اسلام میں سرعت اور پھیلی ہوئی اکائیوں کو فصیح (قرآنی) عربی زبان میں مخاطب کرنے اور اس سے متاثر کرنے میں اس نے اہم کردار ادا کیا ہے۔

جزیرۃ العرب اقوام وملل کی تاریخ میں

آثار قدیمہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ جزیرۃ

العرب میں قدیم حجری عہد (CHELLEAN) سے انسانی آبادی کا نشان ملتا ہے اور جو سب سے پرانے آثار پائے گئے ہیں اس عہد حجری کے اولین زمانہ سے تعلق رکھتے ہیں، عربوں کا ذکر توریت میں بھی آیا ہے جس سے عبرانیوں کے عربوں سے تعلقات کا پتہ چلتا ہے، توریت میں عربوں کا ذکر اس کی تاریخ ۷۵۰، ۲۰۰ ق م سے متعلق ہے، اس طرح تلمود میں بھی عربوں کی طرف اشارے ہیں، جوزی فس فلافیوس کی کتاب میں (جو ۳۷ تا ۱۰۰ میں زندہ تھا) عربوں کے متعلق قیمتی معلومات اور نبطیوں کے حالات ملتے ہیں، بعض غلطیوں اور غلط فہمیوں کے باوجود جو ان قدیم تحریروں میں پائی جاتی ہیں، اسلام سے پہلے لکھی جانے والی یونانی و لاطینی کتابوں میں بھی تاریخی حالات وواقعات اور اہم جغرافی معلومات دستیاب ہوتے ہیں، ان میں بہت سے ایسے عربی قبائل کا نام بھی ملتا ہے کہ اگر یہ کتابیں نہ ہوتیں تو ہم ان سے واقف نہیں ہوسکتے تھے، اسکندریہ ان اہم مرکزوں میں شمار ہوتا تھا، جہاں عربوں کے حالات اور عادات اور ملک کی پیداوار کی کیفیت معلوم کرنے کا خاص اہتمام تھا تاکہ وہاں کی چیزوں کو بحرِ روم کے ساحل پر واقع ملکوں کے تاجروں تک پہنچایا جاسکے۔

عربوں کا ذکر کرنے والے سب سے قدیم یونانی اَخیلس (۵۲۵-۴۵۶ ق م) اور ہیرڈوٹس (۴۸۰-۴۲۵ ق م) ہیں، ان کے علاوہ عہد قدیم کے کچھ اور مصنفین بھی ہیں، جن کے بیانات میں عربوں اور بلادِ عرب کی طرف اشارے موجود ہیں، ان میں بطلیموس کا نام نمایاں ہے جو اسکندریہ میں دوسری صدی مسیحی میں ہوا ہے، اور جس نے ریاضی میں ''المجسطی'' لکھی ہے جو عربی درسیات کی ایک معروف کتاب ہے، مسیحی مآخذ میں بھی عرب جاہلیت اور عرب اسلام سے متعلق خاصا مواد ہے، اگرچہ وہ زیادہ تر مسیحیت، اس کی اشاعت اور اس کے مرکزوں کی تفصیلات پر مشتمل ہے۔

توریت میں جن عربوں کا ذکر آیا ہے وہ اعراب یعنی بدوی عرب ہیں، اس لیے کہ اس میں عرب بادیہ ہی کے اوصاف کا ذکر ہے، اس طرح یونانیوں، رومیوں کی کتابوں اور اناجیل میں جہاں ایسی صفات کا ذکر ہے، ان سے مراد بدوی عرب ہی ہیں جو رومن امپائر اور یونانی سرحدوں پر یورش کرتے رہتے، قافلوں کو لوٹتے اور تاجروں اور مسافروں سے ٹیکس وصول کرتے رہتے تھے، سسلی کے دیدروس نے عربوں کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ آزادی کے عاشق، کھلی فضا میں زندگی گزارنے والے، آزاد ارادے اور آزادیٔ مطلق کے قائل ہیں، اسی لیے ہیروڈوٹس نے ان کے بارے میں لکھا ہے، وہ ہر اس قوت کا مقابلہ کرتے ہیں جو انھیں غلام بنانے اور ذلیل کرنے کی کوشش کرتی ہے، آزادی عربوں کا وہ امتیاز ہے جس کے لیے وہ یونانی اور لاطینی اہل قلم کی نظروں میں ممتاز رہے ہیں۔

اس طرح عرب وہند کے تعلقات ایک دوسرے سے واقفیت اور تجارتی وثقافتی لین دین بہت پرانا ہے، اور اسلام اور اس کی فتوحات سے بہت پہلے کی چیز ہے، ایشیائی ممالک میں ہندوستان عربوں سے سب سے زیادہ واقف اور جغرافی واقتصادی لحاظ سے اس کے قریب تھا جیسا کہ ہندوستانی اور عربی مآخذ اور جدید تحقیقات سے پتہ چلتا ہے۔

نبوت اور آسمانی مذاہب سے جزیرۂ عرب کا تعلق

جزیرۃ العرب بہت سی نبوی دعوتوں اور انبیاء کا گہوارہ رہا ہے، قرآن کہتا ہے:

''وَاذْكُرْ اَخَا عَادٍ، اِذْ اَنْذَرَ قَوْمَهٗ بِالْاَحْقَافِ وَقَدْ خَلَتِ النُّذُرُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖٓ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ، اِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ [سورۃ الاحقاف:۲۱]

(اور قوم عاد کے بھائی (ہود) کو یاد کرو جب انھوں نے اپنی قوم کو سرزمین احقاف میں ہدایت کی، اور ان سے پہلے اور پیچھے بھی ہدایت کرنے والے گذر چکے تھے کہ خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو مجھے تمہارے بارے میں بڑے دن کے عذاب کا ڈر لگتا ہے)۔

اس آیت میں حضرت ہود مراد ہیں جو عاد کی طرف بھیجے گئے ہیں، اور مؤرخین کے قول کے مطابق عاد کا تعلق عرب بائدہ سے تھا، اور وہ ''احقاف'' میں رہتے تھے ''حقف'' ریت کے بلند ٹیلے کو کہتے ہیں، عاد کی بستیاں جزیرہ کی جنوبی بلندیوں پر تھیں جو آج کل ''ربع خالی'' کے جنوب مغرب میں حضرموت کے قریب واقع ہے، ان میں نہ اب زندگی ہے، نہ کوئی آبادی ہے، جب کہ ایک زمانہ میں وہ سرسبز وشاداب علاقے اور گلزار شہر تھے جن میں عاد جیسی جابر قوم آباد تھی، انھیں اللہ نے تیز آندھی سے ہلاک کردیا جس نے انھیں ریتیلے طوفان میں ڈھک لیا تھا۔

آیت یہ بھی بتا رہی ہے کہ حضرت ہودؑ اس علاقے میں آنے والے پہلے اور آخری نبی نہ تھے، ان سے پہلے اور بعد بھی انبیاء آتے رہے تھے، اس لیے قرآن کہتا ہے ''وَقَدْ خَلَتِ النُّذُرُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖٓ''.

اسی طرح قوم ثمود کے نبی حضرت صالحؑ کی بعثت بھی جزیرۃ العرب میں ہوئی، ثمود ''الحجر'' میں رہتے تھے، جو تبوک اور حجاز کے درمیان ایک بستی ہے، حضرت اسمٰعیلؑ پیدائش کے بعد ہی مکہ آگئے تھے، وہ وہیں رہے، اور وہیں انتقال فرمایا، اور اگر جزیرہ کو وسعت دے کر مدین کو بھی اس میں شامل کرلیا جائے، تو حضرت شعیبؑ بھی عرب ہی ثابت ہوتے ہیں، اس لیے کہ مدین، شام کے علاقے میں ارض عرب کے حدود پر تھا، مورخ ابوالفداء لکھتا ہے:

''اہل مدین عرب تھے، اور مدین میں رہتے تھے جوارض معان سے قریب اور شام کے ان اطراف میں تھا جو حجاز سے ملے ہوئے ہیں اور بحیرہ لوط کے نزدیک تھا، اور قوم لوط کے بعد ہی ان کا زمانہ ہے''۔

عرب کی سرزمین بہت سے انبیاء ومرسلین کا مرجع وماویٰ بنی تھی، جن پر اللہ کی زمین اپنی کشادگی کے باوجود تنگ کردی گئی تھی، اور وہ اپنے وطن میں پردیسی بن کر رہ گئے تھے، چنانچہ ان حضرات نے اس دور دراز سرزمین کا انتخاب کیا جو جابر بادشاہوں اور ظالم حاکموں کے اثر سے دور تھی، جیسا کہ حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ مکہ اور حضرت موسیٰؑ کے ساتھ مدین میں پیش آیا، اس کے علاوہ بہت سے مذاہب کو جب اپنے مرکزوں میں پھلنے پھولنے کا موقع نہ ملا تو وہ اس جزیرہ میں آکر آباد ہوگئے، چنانچہ یہود کی ایک بڑی جماعت رومیوں کے ظلم سے تنگ آکر یمن و یثرب آگئی اور نصرانیت نے قیاصرۂ روم کے ظلم وسفاکی سے بھاگ کر نجران میں پناہ لی۔

☆☆☆☆☆

ہماری مطبوعات

☆عمدہ کاغذ ☆بہترین طباعت ☆خوبصورت سرورق

نمبر شمار	اسمائے کتب	قیمت
۱	زعیمان لحرکۃ الاصلاح	=/70
۲	روداد چمن	=/200
۳	الصحافۃ العربیۃ	=/160
۴	تمرین الصرف	=/55
۵	رسالۃ التوحید	=/60
۶	دیوان الحماسۃ (اول)	=/165
۷	دیوان الحماسۃ (دوم)	=/165
۸	فتاویٰ ندوۃ العلماء (اول)	=/350
۹	فتاویٰ ندوۃ العلماء (دوم)	=/400
۱۰	فتاویٰ ندوۃ العلماء (سوم)	=/400
۱۱	مختار الشعر العربی (اول)	=/15
۱۲	مختار الشعر العربی (دوم)	=/18
۱۳	العقیدۃ السنیۃ	=/20
۱۴	تاریخ الادب العربی (الاسلامی)	=/125
۱۵	تاریخ الادب العربی (الجاهلی)	=/70
۱۶	مقدمہ شیخ عبدالحق دہلویؒ	=/50
۱۷	اسلام کی تعلیم	=/16
۱۸	تفہیم المنطق	=/150
۱۹	مبادی علم اصول الفقہ	=/20
۲۰	سوانح صدر یار جنگؒ	=/200
۲۱	مختار من صفۃ الصفوۃ	=/150
۲۲	شرح العقیدۃ الطحاویۃ	=/55
۲۳	اصول الشاشی	=/60
۲۴	علم اصول الفقہ	=/100
۲۵	حیات عبدالباریؒ	=/150
۲۶	تاریخ ندوۃ العلماء (اول)	=/170
۲۷	تاریخ ندوۃ العلماء (دوم)	=/180

ملنے کے پتے:

مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، ندوۃ العلماء، لکھنؤ	9889378176
مکتبۂ اسلام، امین آباد، گوئن روڈ، لکھنؤ	9415912042
مکتبہ الفرقان، نظیر آباد، لکھنو	9936635816
مکتبہ علمیہ، شباب مارکیٹ ندوہ روڈ، لکھنؤ	9198621671
مکتبہ طوبیٰ، ندوی منزل، ندوہ روڈ، لکھنؤ	9005505629

ایک ضروری اعلان: بعض ناشرین کتب نے مجلس صحافت ونشریات کی کتابیں غیر قانونی طور پر طبع کرالی ہیں، اس لیے قارئین سے گذارش ہے کہ مجلس کی جملہ درسی وغیر درسی کتابیں درج بالا مکتبوں ہی سے خریدیں اور بذریعۂ ڈاک بھی طلب کریں، مادر علمی دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے ساتھ آپ کا یہ نہایت مخلصانہ تعاون ہوگا۔

ناشر:

مجلس صحافت ونشریات

ٹیگور مارگ، ندوۃ العلماء، لکھنؤ

فکر وعمل

کلیدی خطاب بموقع سالانہ اجتماع تحریک پیام انسانیت

انسانی اقدار کی ارزانی اور ہمارا فرض منصبی

منعقدہ ۱۱-۱۲/نومبر ۲۰۱۷ء بمقام: دائرہ شاہ علم اللہ تکیہ کلاں، رائے بریلی

● ....حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اس دنیا میں اتارا، اور ان کو دنیا میں زندگی گذارنے کا راستہ بتایا، اور یہ حکم دیا کہ زندگی گزارنے کا جو اصل طریقہ ہے تم کو اس پر عمل کرنا ہے، لیکن ان کے بعد اس اصل طریقہ سے لوگ بھٹکتے رہے، اس لیے کہ آدمی کے وسائل محدود ہوتے ہیں اور خواہشات زیادہ ہوتی ہیں، جن کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آدمی ان خواہشات کے دباؤ سے صحیح راستہ سے بھٹک جاتا ہے، اور صحیح راستہ وہ انسانی راستہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے انبیاء کو بتایا ہے، ایک موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "یا أیها الناس! ان ربکم واحد وان أباکم واحد، ألا! لا فضل لعربي على عجمي ولا لعجمي على عربي ولا لأحمر على أسود ولا أسود على أحمر الا بالتقویٰ" [شعب الایمان للبیہقی: ۵۱۳۷] (اے لوگو! بے شک تمہارا پالنہار ایک ہے اور تمہارا باپ بھی ایک ہے، صاف سن لو! کسی عربی کو کسی عجمی پر اور کسی عجمی کو کسی عربی پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے، اسی طرح کسی سرخ کو کسی کالے پر اور کسی کالے کو کسی سرخ پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے سوائے تقوی کے)۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا: "الناس بنو آدم وآدم من تراب" [سنن الترمذی: ۴۳۳۷] (تمام لوگ آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے بنے ہیں)۔

اس حدیث سے تمام انسانیت کو یہ پیغام دے دیا گیا کہ ہر ایک کو اپنی حیثیت سمجھنا چاہیے، یہ ذہن میں رہنا چاہیے کہ وہ بہت حقیر چیز سے بنایا گیا ہے، اور وہ اچھا اسی وقت بن سکتا ہے جب وہ اچھا طریقہ اختیار کرے، لیکن اگر وہ مٹی ہی میں رہنا پسند کرتا ہے تو ظاہر ہے وہ بری حالت میں رہے گا، اور مٹی کی جو حالت ہے وہی حالت اس کی ہوجائے گی، یعنی ذلت اور رسوائی کی حالت ہوجائے گی، لیکن اگر وہ اس مٹی سے نکلنا چاہتا ہے تو اس کو بلند اخلاق اختیار کرنا ہوں گے، اور یہ راز قرآن مجید میں بھی بتادیا گیا ہے کہ ہم نے تم کو مٹی سے پیدا کیا ہے، اور پھر تم کو بہت اچھی باتیں اور اچھا طریقہ بتادیا ہے، ان کے ذریعہ تمہارے لیے یہ ممکن ہے کہ تم مٹی سے اونچے ہوجاؤ، مٹی سے نکل کر بلند ہوجاؤ، لیکن اگر تم اس سے نہیں نکلو گے اور خود کو بلند کرنے کی کوشش نہیں کروگے تو تم خوار اور رسوا ہوگے، جیسے مٹی رسوا ہوتی ہے اور خاک اڑتی ہے، گویا اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کے لیے ایک اصول کے طور پر یہ بات بیان فرمادی کہ جب ہم انسان کی حیثیت سے زندگی گذاریں گے تو ہم مٹی سے بلند ہوں گے، ورنہ پھر ہم مٹی ہی کے زمرہ میں رہیں گے، جس طرح جانور ہوتے ہیں کہ ان کو مٹی سے نکلنے کا حکم نہیں دیا گیا ہے، نہ مٹی سے نکلنے کا راستہ ان کو بتایا گیا ہے، وہ مٹی میں ہی رہتے ہیں اور اسی میں چر لیتے ہیں، البتہ انسان اس سے بلند ہے اور اس کو بلندی حاصل کرنے کا طریقہ بھی بتایا گیا ہے کہ جب تم سب آدم کی اولاد ہو تو ایک دوسرے کے بھائی ہو، لہٰذا ایک دوسرے کی فکر بھی رکھو، اور تم میں بہتر صرف وہی شخص ہے جو "تقویٰ" اختیار کرے۔

تقویٰ کا مفہوم

"تقویٰ" عربی زبان کا لفظ ہے، اور یہ عربی کے لفظ "وقی-یقی-وقایة" سے بنا ہے، جس کے معنی ہیں؛ اپنے کو بری باتوں سے بچانا، اپنے کو خطرہ سے بچانا، اپنے کو بری جگہ یا بری چیز سے بچانا، یہ سب مفہوم اس میں شامل ہیں، اسلامی اصطلاح میں ہم جو لفظ "تقویٰ" بولتے ہیں، اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ اپنے کو بری باتوں سے بچاؤ، اپنے کو غلط باتوں سے بچاؤ، اور وہ غلط باتیں کون سی ہیں؟ وہ بھی ہم کو بتایا گیا ہے کہ غلط باتیں فلاں فلاں ہیں، لہٰذا جو شخص بھی ان باتوں سے احتیاط کرے گا اور اپنے کو ان غلط باتوں سے بچائے گا، اس کو اچھا اور اونچا درجہ دیا جائے گا، اور وہ ایک بہتر انسان شمار ہوگا، اسی طرح جو شخص اپنے کو بری باتوں سے نہیں بچائے گا، وہ بہتر انسان نہیں ہوسکتا ہے۔

انسانی مزاج

غور طلب بات یہ ہے کہ جب ہم سب انسان ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان

عالی یہ ہے کہ عرب ہو یا عجم، کالا ہو یا گورا آپس میں تمام انسان ایک ہی ہیں اور سب بھائی بھائی ہیں، اس لیے کہ سب آدم کی اولاد ہیں، یعنی ایک باپ کی اولاد ہیں، تو کیوں نہ سب لوگ اس مقام پر آنے کی کوشش کریں جس پر آج اکٹھا ہونے کی سخت ضرورت ہے، جو مقام ہم کو سکھایا گیا ہے اور بتایا گیا ہے، اور وہ یہ کہ ہم میں سے ہر انسان دوسرے انسان کو اپنا بھائی سمجھے، جب ہر ایک دوسرے کو اپنا بھائی سمجھے گا، تو ہر ایک دوسرے سے قریب ہوگا، اس کے فائدہ کو اپنا فائدہ سمجھے گا، جیسے بھائی بھائی کو سمجھتا ہے، وہ اس کے فائدہ کو اپنا فائدہ اور اس کے نقصان کو اپنا نقصان سمجھتا ہے، قرآن وحدیث میں یہ فرمایا گیا ہے کہ سب انسان بھائی بھائی ہیں، اس لیے ہم کو چاہیے کہ ہم ایک دوسرے کے ساتھ وہی رویہ اختیار کریں جو بھائی بھائی کے ساتھ کرتا ہے، اور یہ دیکھا گیا ہے کہ ہر انسان خواہ وہ کتنا ہی برا ہو، لیکن بری بات کو برا سمجھتا ہے، جھوٹ بولنے والا کتنا ہی جھوٹ بولے، لیکن اگر اس سے یہ معلوم کیا جائے کہ جھوٹ اچھی چیز ہے یا بری چیز ہے؟ تو یقیناً وہ یہی کہے گا کہ جھوٹ بری چیز ہے، اسی طرح اگر کوئی آدمی کسی کو کتنی ہی تکلیف پہنچاتا ہو اور بڑا ظالم ہو، لیکن اگر اس سے پوچھا جائے اور اس کی صحیح رائے لی جائے کہ ظلم کیسی چیز ہے؟ تو وہ بھی یہی کہے گا کہ ظلم بری چیز ہے، اس سے یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان میں یہ ایک احساس رکھا ہے کہ وہ برے کو برا سمجھتا ہے اور اچھے کو اچھا سمجھتا ہے۔

انسانی مزاج کا عمومی جائزہ لینے سے یہ بات بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ جب تمام انسان ایک دوسرے کے بھائی ہیں اور برے اچھے کو سمجھتے بھی ہیں، تو ہم سب کو اسی حساب سے ہر ایک سے معاملہ کرنا چاہیے، ہم سوسائٹی کے ہر فرد کے ساتھ حسن سلوک کریں، وہ سوسائٹی خواہ ایک مذہب کی ہو یا متعدد مذاہب کی ہو، ہم کو یہ طے کرنا ہے کہ ہم بحیثیت انسان کے آپس میں ایک دوسرے کی ہمدردی کریں گے، ایک دوسرے کی تکلیف کو دور کرنے کی فکر کریں گے، جیسے اپنی تکلیف دور کرتے ہیں، اپنے بھائی کی تکلیف دور کرتے ہیں، اور اپنے پڑوسی کی تکلیف دور کرتے ہیں، خود قرآن مجید میں بھی ان باتوں کا حکم ہے کہ تم اپنے پڑوسی کا خیال کرو اور اپنے عزیز کا خیال کرو، لہٰذا سوسائٹی میں اگر کوئی ہمارا رشتہ دار ہے تو ہم رشتہ داری کے ناطے اس کا خیال کریں گے اور اگر کوئی ہمارا پڑوسی ہے تو پڑوسی کے لحاظ سے اس کا خیال کریں گے، اور اس سلسلہ میں کوئی یہ نہ سمجھے کہ ہمارا مذہب کوئی روک لگائے گا، کیونکہ جب انسانی سطح پر کچھ کرنا ہو تو اس میں مذہب نہیں دیکھا جاتا ہے، جب آپ ایک ساتھ رہتے ہیں اور ایک دوسرے کے پڑوسی ہیں تو اس میں مذہب کی بنیاد پر ایک دوسرے کے ساتھ سلوک کرنے کی ممانعت ہرگز نہیں ہے، بلکہ سلوک کرنا مستحسن ہے، اور بالخصوص جب کوئی سوسائٹی مشترک مذاہب اور مشترک خیالات کی حامل ہو، تو ایسی صورت میں ہمیں ایک دوسرے کا خیال رکھنا زیادہ ضروری ہوتا ہے، اس لیے کہ جب سوسائٹی میں مختلف خیالات اور مختلف مذاہب کے ماننے والے ہوتے ہیں تو ایک دوسرے کو شک کی نگاہ سے زیادہ دیکھتے ہیں، ایسے وقت میں ہماری ذمہ داری مزید بڑھ جاتی ہے کہ ہم زیادہ اخلاق برتیں، تاکہ یہ جو دوری ہے، یہ دوری انسانی سطح پر دور ہوجائے، چونکہ ہم ایک انسان ہیں، اس لیے ہمارے اندر اخلاق ہیں، ہمارے اندر حسن سیرت ہے، ہمارے اندر ایک دوسرے سے ہمدردی کا جذبہ ہے، ہمارے اندر دوسرے کے لیے محبت ہے، یہ انسان کی حیثیت سے ہماری صفت اور ہمارا طرز وطریقہ ہونا چاہیے، جب ہم انسان ہیں تو ہم کو انسانی صفات، انسانی اخلاق اور انسانی سیرت اختیار کرنی چاہیے۔

عمل کیمیا اثر

ہمارے ملک ہندوستان میں بھی مختلف طبقات ہیں، مختلف مذاہب ہیں اور مختلف نسلیں ہیں، اس لیے یہاں اس بات کی زیادہ ضرورت ہے کہ ہم ایک دوسرے کے ساتھ ایسا سلوک کریں کہ ہم سب آپس میں واقعی بھائی بھائی معلوم ہوں، اور آپس میں ایک ایسا اتحاد پیدا ہو جو انسانی اتحاد کہلائے، سیاسی اتحاد نہیں، سیاست تو مصلحتوں سے چلتی ہے، سیاست میں خاص بات یہ ہے کہ وہ مذہب سے نہیں بلکہ وہ اپنے موقع و مصلحت پر چلتی ہے، اصحاب سیاست کی جیسی مصلحت ہوتی ہے، وہ ویسا ہی طریقہ اختیار کرلیتے ہیں، کیونکہ ان کو محض اپنا فائدہ حاصل کرنا ہوتا ہے، لیکن جو انسانی اخلاق ہیں، انسانی سیرت ہے اور انسانیت ہے، یہ اس طرح نہیں چلتی کہ ہم صرف اپنی مصلحت دیکھیں، بلکہ اس میں یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ ہم ایک دوسرے کے ساتھ رہتے ہیں تو ہم اس طرح رہیں جس طرح بھائی بھائی رہتا ہے، اور ایک دوسرے کے ساتھ جب معاملہ کرتے ہیں تو اس طرح کریں جس طرح ایک بھائی بھائی کے ساتھ کرتا ہے، اس کا فائدہ یہ ہے کہ اس سے آپس کا تعاون اور آپس کی محبت بڑھتی ہے، ہر آدمی

آپس میں ایک دوسرے کو ترقی دیتا ہے، ایک دوسرے کو فائدہ پہنچاتا ہے، اور اس کا خوب تجربہ کیا گیا ہے کہ جب اخلاق برتا جائے تو آپس کی رنجش اور دوری دور ہو جاتی ہے، ایسا بہت ہوتا ہے کہ دو لوگ کسی وجہ سے ایک دوسرے کے مخالف ہیں، لیکن اخلاق کے جوہر نے ان دونوں کو مخالف ہونے کے باوجود باہم ملا دیا، جب ان میں سے ایک شخص نے دوسرے کے ساتھ اخلاق برتا تو وہ فریفتہ ہوگیا، تاریخ اسلام میں ایسے بے شمار واقعات ہیں کہ کسی نے اپنے پڑوسی سے دشمنی کی، لیکن انہوں نے اس کے ساتھ اچھا سلوک کیا، اور اس کے ساتھ ہمدردی سے پیش آئے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ دشمنی دوستی میں تبدیل ہوگئی، اور اس شخص کو اس بات پر تعجب ہوا کہ ہم ان کو اپنا دشمن سمجھتے تھے، مگر یہ اتنے اچھے انسان ہیں کہ ہر وقت ہمیں نقصان سے بچاتے ہیں، ہم ان کو گالی دے رہے ہیں اور یہ ہمارے ساتھ ایسے بلند اخلاق برت رہے ہیں، اور ہمارے ساتھ ایسا اچھا سلوک کر رہے ہیں۔

انسانی تعاون کی اہمیت

ہمارا پورا معاشرہ، ہماری تہذیب و تمدن، ہمارا رہائشی اور شہری نظام غرض جو کچھ بھی ہے، یہ آپس میں باہمی تعاون سے چل رہا ہے، اور ایسے تعاون سے چل رہا ہے کہ بعض اوقات بڑی حیرت ہوتی ہے، مثلاً: آپ جو کرتا پہنتے ہیں، آپ یہ سمجھتے ہیں کہ آپ کا کرتا ہے، آپ نے اس کو حاصل کیا ہے، اس میں آپ پر کسی کا کوئی احسان نہیں ہے، لیکن اگر آپ غور کریں کہ یہ کرتا آپ کو کیسے ملا؟ تو پتہ چلے گا کہ یہ کرتا کئی مراحل سے گذر کر ہم تک پہنچا، وہ اس طرح کہ اگر اس کا سوت نہ بنایا جاتا اور نہ کاتا جاتا، پھر اس کے بعد اس سے کپڑا نہ بنایا جاتا، پھر اس کے بعد اس کپڑے کو بازار میں نہ لایا جاتا، اور پھر آپ درزی سے نہ سلواتے تو کیا آپ کو کرتا ملتا؟ ظاہر ہے اگر اس میں سے آپ کوئی بھی کڑی نکال دیں تو کرتا حاصل ہونا ناممکن تھا، اگر بازار سے کپڑا لایا نہیں جاتا یا آپ خود درزی نہیں ہیں اور کوئی سلنے والا بھی نہیں ہے تو آپ کا یہ کرتا بننا مشکل تھا، معلوم ہوا کئی آدمی بیچ میں ہیں جن کے تعاون سے آپ کا یہ کرتا بنا ہے، تو اس سے یہ بات بھی پتہ چل گئی کہ یہ کرتا صرف آپ کے چاہ لینے سے نہیں بنا، بلکہ اس کے بنانے میں کئی لوگ شریک ہوئے اور وہ سب غیر لوگ ہیں۔

اسی طرح آپ بطور مثال پانی لے لیں جو کہ انسان کی ایک بنیادی ضرورت ہے، جس سے انسان کی بقا وابستہ ہے، اس کے بارے میں بھی اگر آپ غور کریں تو معلوم ہوگا کہ پانی بھی آپ تنہا حاصل نہیں کر سکتے تھے، اس لیے کہ اگر کنواں نہ بنایا گیا ہوتا، یا آج کے زمانہ کے اعتبار سے بورنگ نہ ہوئی ہوتی اور پمپ نہ لگایا گیا ہوتا، پھر وہ پمپ کارخانہ میں بنایا نہ گیا ہوتا، تو آپ کے لیے پانی کا ایک بوند بھی حاصل کرنا مشکل تھا۔

مذکورہ مثالوں سے یہ سمجھنا آسان ہوگیا کہ انسان باہمی تعاون کی بنیاد پر سکون کی زندگی گذار رہا ہے، لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ ہم صرف یہی سمجھ لیتے ہیں کہ یہ چیز ہماری ہے اور ہم نے حاصل کی ہے، اس میں ہم پر کسی کا احسان نہیں ہے، حالانکہ اگر آپ تعاون ہٹا کر دیکھیں تو دنیا میں ایسی کوئی چیز نہیں ہے جو تنہا آپ نے حاصل کر لی ہو، ہماری ہر چیز دوسروں کے تعاون اور شرکت سے ہے، یہ نظامِ شرکت ہے جس سے ہماری انسانی زندگی چل رہی ہے، لیکن ہم بہت بڑی بھول میں ہیں اور ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہم بذات خود کافی ہیں، ہم ہی سب کچھ کر رہے ہیں، جب کہ ہم تنہا کچھ نہیں کر رہے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ ہماری یہ زندگی آپس کی شرکت وتعاون سے چل رہی ہے۔

ضمیر کی صدا

زندگی میں آپسی شرکت وتعاون کی اس اہمیت کے اندازہ کے بعد سوال یہ قائم ہوتا ہے کہ جب ہماری زندگی اس بات کی محتاج ہے کہ ہم کو دوسروں کا تعاون حاصل ہو، تو ہم ہمدردی والا تعاون کیوں نہیں کرتے ہیں؟ ایک شخص نے چاہے اپنے کام کی قیمت لی ہو، لیکن اتنا طے ہے کہ ہماری ضرورت پوری کرنے میں اس کا ہاتھ لگا اور اس کے بغیر ہماری وہ ضرورت پوری نہیں ہوسکتی تھی، مگر اس کے باوجود بھی ہم اس کے ساتھ ہمدردی نہیں کر رہے ہیں، اور اس کو دوسرا سمجھ رہے ہیں یا اس کو اپنے خلاف سمجھ رہے ہیں، ظاہر ہے یہ ہماری بہت بڑی غلطی ہے، یہ نہایت تعجب کی بات ہے کہ ہم ایک شخص سے پورا فائدہ اٹھا رہے ہیں یا ان لوگوں سے پورا فائدہ اٹھا رہے ہیں جو ہمارے ارد گرد ہیں اور ہمارے تہذیب و تمدن میں لگے ہوئے ہیں، اور اگر ان کے ساتھ ہمدردی کا مسئلہ آجائے تو ہم ان کے ساتھ ہمدردی نہ کریں، ایسا کیوں ہے؟ کیا اس لیے کہ وہ ہمارے غیر ہیں؟ اگر وہ غیر ہیں تو آپ کی عقلی سطح کے لحاظ سے یہ ہونا چاہیے کہ آپ ان سے کوئی تعلق ہی نہ رکھئے، ان کی کوئی چیز بھی استعمال نہ کیجیے، ان سے کوئی مدد بھی نہ لیجیے۔

منفی سوچ کا نقصان

دانش مندی کا تقاضا یہ ہے کہ ایسی ذہنیت کو ختم کیا جائے، اور اس حقیقت کو عام کیا جائے کہ ہمارا پورا نظام آپس میں تعاون اور ہمدردی سے چل رہا ہے، اور اگر ایسا نہ ہو تو ہماری زندگی اجیرن ہو جائے گی، مثلاً؛ آپ کسی ایسی کپڑے کی دوکان پر کپڑا لینے گئے کہ آپ کی مرضی کا کپڑا وہیں ملتا ہے اور اس دوکاندار نے آپ کو غیر سمجھا، اور آپ کو کپڑا نہیں دیا تو آپ کیا کریں گے؟ ظاہر ہے آپ کے لیے ایسی صورت میں دشواری ہو جائے گی، اس کا مطلب یہ ہوا کہ ابھی جب وہ آپ کو خوشی خوشی کپڑا دے رہا ہے تو گرچہ وہ اپنے پیسے کمانے کے لیے دے رہا ہے، مگر اس کے ساتھ وہ اخلاق سے بھی پیش آرہا ہے، تب آپ کو بآسانی کپڑا مل رہا ہے، اور اگر وہ آپ کا مخالف ہوتا تو وہ صاف کہہ دیتا کہ ہم آپ کو کپڑا نہیں دیں گے، آپ یہاں سے جائیے، تب آپ کہاں سے لے سکتے تھے؟ جب کہ یہ معلوم ہے کہ وہ کپڑا اسی دوکان پر ملتا ہے اور وہ دینے کے لیے راضی نہیں ہے، اسی طرح آپ دنیا کی کوئی چیز بھی لے لیں، نتیجہ یہی نکلے گا کہ ہمارا سارا نظام ایک دوسرے کے تعاون اور ہمدردی سے چل رہا ہے، اگر ہم مخالفت کا مزاج اختیار کرلیں تو خود ہمارا زندہ رہنا مشکل ہو جائے۔

انسانیت کا تقاضا

زندگی کا یہ ایک اہم راز ہمیں سمجھنا چاہیے کہ جب ہم ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرتے ہیں، تو ہمیں ہمدردی والا تعاون بھی کرنا چاہیے، ہماری یہ کوشش ہونی چاہیے کہ دوسرے کو نقصان نہ پہنچے اور دوسرا بھی کامیاب ہو، دوسرا بھی صحیح انسان بنے، اور دوسرے کے جو انسانی حقوق ہیں وہ ادا ہوں، یہ انسانی حقوق ہی ہیں کہ ہم ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کریں اور یہ تعاون صرف مادی نہ ہو کہ کھانے پینے کی حد تک تعاون ہو، بلکہ اخلاق اور مدد والے تعاون کی بڑی اہمیت ہے، افسوس کی بات ہے کہ اس میں ہم لوگوں کے اندر بڑی کمی آگئی ہے، اور غور کیا جائے تو صرف ہم ہی میں نہیں بلکہ ساری دنیا میں آج یہی کمی نظر آرہی ہے، یوں بظاہر سب ایک دوسرے سے تعاون لے رہے ہیں، لیکن ہمدردی والا تعاون بہت کم ہو رہا ہے، اور لوگوں میں خود غرضی بہت بڑھ گئی ہے، اسی لیے ہم یہ محسوس کرتے ہیں کہ لگتا ہے ساری دنیا اس وقت خود غرضی پر چل رہی ہے، آج حال یہ ہو گیا ہے کہ ہم دوسرے سے فائدہ اٹھا رہے ہیں، لیکن دوسرے کو فائدہ پہنچا نہیں رہے ہیں، جب کہ انسانیت کا تقاضا تو یہ ہے کہ اگر ہم کسی سے فائدہ اٹھاتے ہیں تو دوسرے کو فائدہ پہنچائیں بھی، یعنی تکلیف کے موقع پر ہم اس کے کام آئیں، اور اگر اس کو ہمدردی کی ضرورت ہے تو اس کی ہمدردی کریں، اگر اس کی کوئی پریشانی ہے تو اس کو دور کریں، اپنی حد تک جتنی ہم میں استطاعت ہے ہم اس کا تعاون کریں، واقعہ یہ ہے کہ اگر ہمارا معاشرہ ان جذبات کا حامل ہو جائے تو بہت اچھا اور ایک مثالی معاشرہ ہوگا۔

خود غرضی کا دیو

موجودہ معاشرہ ہمدردی والا نہیں بلکہ خود غرضی والا معاشرہ ہے، جس میں ہم ایک طرف چل رہے ہیں، آپ غور کیجیے تو ہمارا پورا نظام خود غرضی پر ہی چل رہا ہے، اس دور میں اس وقت تک کوئی کسی کی مدد نہیں کرتا جب تک کہ اس کا فائدہ اس سے قائم نہ ہو، آج دنیا میں یہی نظام چل رہا ہے، ہر شخص اپنے فائدہ کو دیکھ کر ہی کسی کا کام کرتا ہے، ہر شخص سوچتا ہے کہ اگر ہمیں اس سے فائدہ ہے تو ہم اس کا کام کریں گے، ورنہ نہیں کریں گے، اگر کسی سے فائدہ وابستہ نہیں ہے تو لوگوں کی ذہنیت یہ بن چکی ہے کہ دوسرا مر رہا ہو تو مرے، ہم سے کیا مطلب، لیکن اس کے مرنے سے اگر ہم کو کوئی نقصان ہوتا ہے تو کوشش یہ ہوگی کہ وہ نہ مرے، بصورت دیگر یہ ہے کہ وہ مرے بھاڑ میں جائے، ہم سے کوئی مطلب نہیں ہے۔

غور کیا جائے تو ہماری یہ تہذیب وہ ہے جو جانوروں کی تہذیب ہے، جانور یہی کرتے ہیں کہ اگر ایک جانور کھا رہا ہے اور دوسرا جانور آگیا تو وہ اس کو بھگا دے گا، اور اس کو اپنے چارے میں شریک نہیں ہونے دے گا، کیونکہ اس کو دوسرے جانور سے کوئی تعلق نہیں ہے، اور نہ ہی جانوروں کو ایک دوسرے کے تعاون کی ضرورت ہوتی ہے، کوئی جانور کسی جانور کا تعاون نہیں کرتا ہے، اس لیے کہ ان کو ضرورت ہی نہیں ہے، جب ان کو کھانے کی ضرورت ہوتی ہے تو وہ پتے چر لیتے ہیں، اور جب پانی کی ضرورت ہوتی ہے تو تالاب سے پانی پی لیتے ہیں، گویا ان کو باہمی تعاون کی ضرورت ہی نہیں ہے، البتہ ہم انسانوں کا حال اس سے مختلف ہے، ہم دوسرے کے تعاون کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے، لیکن ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہم محض مادی تعاون پر چلتے ہیں، اور اخلاقی و انسانی تعاون میں ہم بہت کوتاہ ہیں، آج دنیا میں جو دنگے ہیں، ان کی یہی وجہ ہے کہ ہر شخص خود غرضی میں مبتلا ہے، آج ہر ایک میں ''ہم'' ہے، جب تک ان کا ''ہم'' پورا نہیں ہوگا، وہ کسی سے اخلاق نہیں برتیں گے، وہ اخلاق اس لیے برتتے ہیں

کہ ان کے ساتھ اخلاق برتا جائے، اور دوسرے کے ساتھ اسی وقت ہمدردی کرتے ہیں جب معلوم ہو کہ ان سے ہم کو ہمدردی لینی ہے، گویا انسانی اقدار کو فراموش کر کے اخلاقیات کو بھی ایک کاروبار بنا رکھا ہے۔

دعوت عمل

ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اس خرابی کو دور کریں، لیکن صرف تلقین کرنے اور دوسروں کو سمجھانے سے کام نہیں چلے گا، بلکہ پہلے خود عمل کرنا ہوگا، اگر ہم کسی کو تکلیف میں دیکھیں تو اس کی تکلیف دور کریں، ہماری طاقت اور صلاحیت کے اعتبار سے جتنی مدد ہو سکے، ہم اتنی مدد کرنے کی پوری کوشش کریں، اگر پیسے خرچ کر کے ممکن ہو تو پیسہ خرچ کر کے، اور اگر کسی کی تکلیف دور کرنے کے لیے کوئی کوشش کر کے ممکن ہو تو کوشش کر کے، اور کسی قسم کی دوڑ بھاگ کر کے ممکن ہو تو دوڑ بھاگ کر کے، جب ہمارا معاشرہ ایک انسانی معاشرہ ہے تو اس کو ایسا ہی ہونا چاہیے، اس کو جانور والے معاشرہ سے دور ہونا چاہیے، اور اگر ہم ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی نہیں کریں گے تو ظاہر ہے جانور اور ہم میں کوئی فرق نہیں رہے گا، اور یہ ہماری بڑی حماقت ہوگی کہ ہم اپنے معاشرہ کے امتیازات کو مٹا دیں، اس لیے کہ جانور کو تو ضرورت ہی نہیں ہے کسی سے ہمدردی کرنے اور کسی سے ہمدردی لینے کی، لیکن ہم قدم قدم پر باہمی تعاون کے محتاج ہیں، لہٰذا ہم میں جو ''ہم'' مسلط ہو گیا ہے، اس کو دور کرنے کی کوشش کرنی چاہیے، آج اس ''ہم'' کے مسلط ہونے کا نتیجہ ہے کہ اکثر آدمی تنہا اپنے کو دیکھتا ہے اور کسی کے ساتھ بھلائی سے پیش آنے سے پہلے یہ سوچتا ہے کہ اس میں خود ہمارا کتنا فائدہ ہے، اور اس وقت تک اخلاق سے پیش نہیں آتا جب تک اس کو اپنا کوئی فائدہ نظر نہ آ رہا ہو، وہ یہ سوچتا ہے کہ ہم ان کے ساتھ اخلاق سے پیش آئیں گے تو یہ ہمارے ساتھ اخلاق سے پیش آئیں گے، گویا انسان اپنا فائدہ اپنے سامنے رکھ کر اخلاق برتتا ہے، لیکن ہم کو اس نظریہ سے بلند ہونا چاہیے، ہمیں انسانی تعلق، بھائی چارہ اور انسانی ہمدردی کا طریقہ اختیار کرنا چاہیے اور انسانی معاشرہ میں اس کو رواج دینے کی فکر کرنی چاہیے۔

مثالی معاشرہ

اگر ہم خود غرضی والے معاشرہ پر قابو پالیں اور انسانی ہمدردی کے جذبہ کو فروغ دیں تو ہمارا معاشرہ اور سماج ایک بہترین سماج بن جائے گا، لوگ دیکھ کر رشک کریں گے کہ ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں، جو اپنے سے زیادہ دوسروں کی فکر کرتے ہیں، یہ واقعی بڑے اچھے انسان ہیں، لیکن ایسا اچھا انسان بننے کے لیے ضرورت ہے کہ ہم اچھے انسانی صفات اختیار کریں، انسان جانوروں سے اوپر ہے، انسان اور جانور برابر نہیں ہیں، لہٰذا ہم کو جو انسانی صفات اور جو خوبی ہونی چاہیے وہ اپنانے کی ضرورت ہے، انسان کی خوبی اس میں نہیں کہ وہ محض اپنا فائدہ دیکھ لے، یہ تو جانور بھی دیکھتے ہیں، انسان کی خوبی یہ ہے کہ اپنا فائدہ دیکھے ضرور لیکن دوسروں کو نقصان سے بچاتے ہوئے، یعنی آپ ایسا فائدہ نہ اٹھائیے کہ اس سے دوسرے کو نقصان ہو، اور مزید یہ کہ دوسرے کا اگر نقصان ہو رہا ہے تو آپ اس کو نقصان سے بچانے کی کوشش کیجیے، اس کے ساتھ ہمدردی کیجیے، واقعہ یہ ہے کہ آج اسی مزاج کو معاشرہ میں رواج دینے کی بہت زیادہ ضرورت ہے، موجودہ دور میں انسانی سوسائٹی کی سب سے بڑی کمی آپس کے جھگڑے وفساد اور آپس میں ٹکراؤ ہے، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ انسان بہت نقصان اٹھا رہا ہے، آپس میں نہ محبت ہے نہ تعلق ہے، حالانکہ سب ایک ہی ساتھ رہتے ہیں، اور سب کے ایک ہی طرح کے مسائل وحالات ہیں، لیکن ہمدردی اس طرح کی نہیں ہے جس طرح ایک ساتھ رہنے میں ہونی چاہیے۔

پیام انسانیت فورم کا مشن

''پیام انسانیت'' کے نام سے جو فورم ہے، اس کو ''پیام انسانیت'' اسی لیے کہا گیا ہے تاکہ آدمی یہ سمجھے کہ یہ انسانی سطح پر ایک دوسرے کے ساتھ اخلاق برتنے اور ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی کرنے کی ایک تحریک ہے، اس تحریک کے پلیٹ فارم سے لوگوں کو یہ تلقین کی جاتی ہے کہ آپس میں مل کر رہو، آپس میں محبت کے ساتھ رہو، اور ایک دوسرے کے فائدہ کو دیکھو، یہ نہیں ہونا چاہیے کہ تم صرف اپنے ہی فائدہ کو دیکھو، بلکہ دوسرے کے فائدہ کو بھی دیکھو، اور جو پڑوسی ہونے کی حیثیت سے تم پر ذمہ داری ہے اس کو پورا کرو، اور یاد رکھو انسانی رشتوں کے نباہنے میں مذہب حائل نہیں ہوتا، بلکہ اپنے اپنے مذہب پر آدمی قائم رہے اور پوری طرح قائم رہے، مگر انسانی رشتوں کا مکمل خیال رکھے، اس سلسلہ میں مذہب اس کی مکمل رہنمائی بھی کرتا ہے، مذہب خود ہم کو یہ بتاتا ہے کہ تمہارے اوپر پڑوسی کا حق ہے، اب خواہ وہ پڑوسی کوئی بھی ہو اور کسی بھی مذہب کا ہو، جب پڑوسی ہے تو اس کے ساتھ پڑوسی والا اخلاق برتنا ہے۔

مسائل کا حل

’’پیام انسانیت‘‘ انسانیت کی صدا بلند کرنے کی ایک تحریک ہے، اس کا پیغام یہ ہے کہ ہمیں انسانی سطح پر آپس میں محبت و یکجہتی پیدا کرنا ہے، اس سے ہمارا سماج بہترین سماج بنے گا، ورنہ ہمارا سماج بہت گھٹیا سماج ہوگا، جس کو دیکھنے والے اس کی مذمت کریں گے، اور اگر ہمارے سماج میں انسانی خوبیاں پیدا ہوجائیں تو دیکھنے والے اس کی تعریف کریں گے اور رشک کریں گے کہ یہ سماج واقعی ایک مثالی سماج ہے، اس میں سب ایک دوسرے کو بھائی سمجھتے ہیں، ایک دوسرے کی ہمدردی کرتے ہیں، ایک دوسرے کی تکلیف دور کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اور اس میں یہ نہیں دیکھتے کہ کس کی تکلیف ہے، بس ان کے اندر یہ جذبہ ہے کہ اگر کسی کی تکلیف ہے تو گویا وہ ہماری تکلیف ہے، ہمیں اس کو دور کرنا ہے، اور اس کی انسانی سطح پر ہر ممکن مدد کرنا ہے، واقعہ یہ ہے کہ اگر ہمارے اندر یہ جذبہ پیدا ہوجائے تو ہمارے سماج کے بہت سے وہ مسائل خود بخود ختم ہوجائیں گے جو آج ہماری خودغرضی کی وجہ سے ختم ہونا مشکل معلوم ہوتے ہیں، بس شرط صرف یہی ہے کہ ہم ایک دوسرے کو اپنا بھائی سمجھیں اور اس کے ساتھ انسانی سطح پر سلوک اور ہمدردی کا معاملہ کریں، اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے اور قبول فرمائے، آمین۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَ عَلَى آلِهٖ وَصَحْبِهٖ أَجْمَعِيْنَ وَ بَارَكَ وَ سَلَّمَ تَسْلِيْماً كَثِيْراً۔

ترتیب وپیشکش: محمد ارمغان بدایونی ندوی

☆☆☆☆☆

یہ ٹہنی ٹوٹنے والی نہیں!

’’لَا اِکْرَاهَ فِیْ الدِّیْنِ قَدْ تَبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ فَمَنْ یَّکْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَیُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقىٰ لَا انْفِصَامَ لَهَا وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ‘‘ [البقرۃ/۲۵۶] (دین کے بارے میں کسی طرح کا جبر نہیں (کیوں کہ وہ دل کے اعتقاد سے تعلق رکھتا ہے اور جبر وتشدد سے اعتقاد پیدا نہیں کیا جاسکتا) بلا شبہ ہدایت کی راہ گم راہی سے الگ اور نمایاں ہوگئی ہے (اور اب دونوں راہیں لوگوں کے سامنے ہیں، جسے چاہیں اختیار کریں) پھر جو کوئی بھی طاغوت سے انکار کرے (یعنی سرکشی وفساد کی قوتوں سے بیزار ہوجائے) اور اللہ پر ایمان لائے تو بلاشبہ اس نے (فلاح وسعادت کی) مضبوط ٹہنی پکڑ لی، یہ ٹہنی ٹوٹنے والی نہیں، (جس کے ہاتھ آگئی وہ گرنے سے محفوظ ہوگیا) اور (یاد رکھو!) اللہ سب کچھ سننے، والا جاننے والا ہے)۔

اس اصل عظیم کا اعلان کہ دین واعتقاد کے معاملے میں کسی طرح کا جبر واکراہ جائز نہیں، دین کی راہ دل کے اعتقاد و یقین کی راہ ہے اور اعتقاد دعوت و موعظت سے پیدا ہوسکتا ہے نہ کہ جبر واکراہ سے:

(الف) احکام جہاد کے بعد ہی یہ ذکر اس لیے کیا گیا تاکہ واضح ہوجائے جنگ کی اجازت ظلم وتشدد کے انسداد کے لیے دی گئی ہے، نہ کہ دین کی اشاعت کے لیے، دین کی اشاعت کا ذریعہ ایک ہی ہے اور وہ دعوت ہے۔

قریش مکہ کا فتنہ کیا تھا؟ یہ تھا کہ ظلم وتشدد کے ذریعے دین واعتقاد کا فیصلہ کرنا چاہتے تھے، قرآن نے اس کے خلاف جنگ کا حکم دیا، پس جس بات کے خلاف اس نے جنگ کا حکم دیا ہے خود اسی بات کا مرتکب کیوں کر ہوسکتا ہے؟

(ب) سچائی روشنی ہے، اگر تاریکی چھائی ہوئی ہے تو صرف اس بات کی ضرورت ہے کہ روشنی موجود ہوجائے اگر روشنی نمایاں ہوگئی تو پھر روشنی کو روشن دکھلانے کے لیے اور کسی بات کی ضرورت نہیں، روشنی جس طرف بھی رخ کرے گی تاریکی خود بخود دور ہوجائے گی۔

مولانا ابوالکلام آزادؒ

حالات حاضرہ

اسلامی شریعت اور مسلمان

مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی

روئے زمین پر بسنے والے انسان اُس تاریخی دن کو فراموش نہیں کر سکتے ہیں، جس میں ان کو ایک نئی زندگی اور نیا پیغام ملا، اور ان کو شقاوت و بدبختی کے گہرے اور عمیق غار سے نکلنے کی دولت حاصل ہوئی، اُسی روز اللہ تعالیٰ نے یہ فیصلہ کیا کہ انسانی تاریخ اس پوری دنیائے انسانیت کے سامنے عالمگیر اور سچے حقائق پر مبنی انسانی انقلاب کی گواہ بنے، جب کہ دنیا کا منظر نامہ کچھ اس طرح ہو گیا تھا کہ پورے معاشرہ میں چاہے وہ مشرق ہو یا مغرب فساد، بدعنوانی اور نوع بنوع کی برائیاں پھیل چکی تھیں، اسی پر بس نہیں، بلکہ عداوت و دشمنی اور اقتدار کی ہوس چہار جانب سے لوگوں کو گھیرے ہوئے تھی، یہاں تک کہ ہر وہ فعل جو قابل مذمت اور ناپسندیدہ تھا، ان کے نزدیک قابل استفادہ اور لائق اعتناء بن گیا تھا، تاہم خیر و شر، درست اور نادرست کی کوئی تمیز باقی نہیں رہ گئی، ایسے موقع پر اللہ تعالیٰ نے انسانیت پر رحمت کی نگاہ ڈالی، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت ہوئی، اور آپ کے ذریعہ انسانیت کو ایسی شریعت ملی جو لازوال اور ابدی ہے، جس میں مرورِ زمانہ کے ساتھ کوئی تبدیلی نہیں کی جاسکتی، مزید اس کی حفاظت و اشاعت کے لیے حاملین دین، اور وارثین انبیاء کا انتخاب کیا، جو دین کو ہمیشہ صاف ستھری شکل میں پیش کرتے رہیں گے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "ثُمَّ جَعَلْنَاكَ عَلَى شَرِيعَةٍ مِّنَ الأَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ". [سورۂ جاثیہ:۱۸] (اے پیغمبر) ہم نے آپ کو دین کے ایک خاص طریقہ (شریعت) پر کر دیا ہے، تو آپ اس کی پیروی کیجیے اور ناواقف لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کیجیے)۔

ہر زمانہ میں اسلامی تعلیمات ہی سفینۂ نوح ہیں

یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ اسلام میں ہر دور کے مسائل کو حل کرنے کی صلاحیت بدرجہ اتم موجود ہے، اگر اسلام میں یہ صلاحیت نہ ہوتی، تو آج پوری دنیا کے انسان جانوروں کی طرح ہوتے، بلکہ اس سے بھی بدتر شکل میں زندگی گذارتے، یہ بھی ایک چشم کشا حقیقت ہے کہ جو کوئی اسلام کے سنہرے اصول اور اس کے بتائے ہوئے صحیح راستوں Right Tracks سے منہ پھیرے گا، تو پھر اس کا انجام یہ ہوگا کہ وہ جہنم کا ایندھن بنے گا، جیسا کہ قرآن کریم اپنے معجزانہ اسلوب میں اس حقیقت کی نقاب کشائی کرتا ہے: "لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَّا يَسْمَعُونَ بِهَا أُولَـٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ أُولَـٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ" [سورۂ اعراف:۱۷۹] (ان کے دل ہیں، مگر یہ ان سے سوچتے نہیں، اور آنکھیں ہیں، مگر ان سے دیکھتے نہیں، اور ان کے کان بھی ہیں، مگر ان سے سنتے نہیں، یہ لوگ مثل چوپایوں کے ہیں، بلکہ ان سے بھی بڑھ کر بے راہ ہیں، یہی لوگ تو غافل ہیں)، بلاشبہ اسلامی تعلیمات کی مثال سفینۂ نوح کی طرح ہے، جو اس پر سوار ہوا، وہ نجات پا گیا، اور جس نے اس سے کنارہ کشی اختیار کی وہ ناکام ہوا۔

عصر حاضر کی جاہلیت

آج صورت حال یہ ہو گئی ہے کہ لوگ اپنے انفرادی اور اجتماعی معاملات کو دور جاہلیت کے پیمانوں سے ناپ رہے ہیں، نیز مختلف شعبہائے حیات میں زمانہ جاہلیت کی نقل کر رہے ہیں، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اُن کا دین اور اُس کی تعلیمات، اُس کے اصول سے کوئی واسطہ نہیں ہے، وہ ان تمام چیزوں سے لاتعلق ہیں، اور جہاں تک فساد، بدامنی انارکی کا تعلق ہے تو وہ اپنی تمام تر قسموں اور خرابیوں کے، پورے معاشرے اور پوری سوسائٹی میں پھیلی ہوئی ہے، ملت اسلامیہ کی اکثریت اپنے منفرد اسلامی تشخص کو کھو بیٹھی ہے، اور اُس جادۂ حق سے جو اُس کو عز و شرف کی بلندیوں تک پہنچانے کا ضامن ہے دور ہو گئی ہے، تو دوسری طرف مسلم معاشروں پر تخریبی فلسفوں (Logics) اور کمزور و گھٹیا قسم کے افکار کی یلغار ہے، جس نے اُس (اسلامی معاشرہ) کو زندگی کے اصل سرچشمہ سے کاٹ کے رکھ دیا ہے، اور اُس کو لایعنی چیزوں میں مشغول کر دیا ہے، گویا متضاد افکار اور گمراہ کن شکوک و شبہات کا زہر گھولنے کے لیے معترضین اور دشمنانِ اسلام کے

لیے نہ صرف راہ ہموار ہے، بلکہ انہوں نے اِس کو اپنے لیے مسلمانوں کی نظر میں دینِ اسلام کی قدر و قیمت کم کرنے اور قرآن وسنت کے ساتھ کھلواڑ کرنے کا ایک سنہرا موقع سمجھ لیا ہے، جبکہ حقیقت کچھ اور ہے کہ قرآن و حدیث کے سلسلہ میں اُن کے دل بغض وحسد اور عداوت و دشمنی سے بھرے ہوئے ہیں، اور یہی وجہ ہے کہ جو کچھ ناپاک کوششیں اور عسکری یلغار شریعتِ اسلامیہ کے قصر کو مسمار کرنے اور مسلمانوں کو اپنے مصدر و منبع سے رشتہ کاٹنے یا کم از کم اُس رشتے کو کمزور کرنے کی ہم دیکھ رہے ہیں، ان کا اسلام کی روشن جبیں کو داغدار بنانے اور اُس کی شبیہ کو بگاڑنے میں اہم حصہ ہے۔

آشکارا ہو نہ جائے شرعِ پیمبر کہیں

اس وقت ظالمانہ اور مجرمانہ کارروائیاں ستم رسیدہ ومظلوم مسلمانوں پر صرف اِس لیے ہورہی ہیں کہ وہ اپنا قانونی حق مانگ رہے ہیں، اوران کا مطالبہ ہے کہ معاشرہ اور زندگی پر شریعتِ اسلامیہ کا نفاذ ہو، لیکن حیف صد حیف ! اِس مطالبے کے نتیجہ میں اُن کو روحانی وجسمانی طور پر کمزور کرنے کی کوششیں کی جارہی ہیں، اور پھر اُن کے قتل کی سازشیں رچی جارہی ہیں، اور حدتو یہ ہے کہ اُن کے کھانے، پینے، رہنے اور پہننے کی سہولیات ختم کی جارہی ہیں، اور یہ تمام تر ناپاک کوششیں، سازشیں مغربی زعماء اور یورپین لیڈر کے اشاروں پر ہورہی ہیں، جنھوں نے مسلمانوں کے قلوب سے عقیدۂ توحید اور ایمان وایقان کی مضبوط جڑوں کو کمزور کرنے کے لیے ہر قسم کے آلات تیار کررکھے ہیں، اور اس ناپاک منصوبے کی کامیابی کے لیے طرح طرح کی تدبیریں اپنارہے ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :"وَمَا نَقَمُوا مِنْهُمْ إِلَّا أَن يُؤْمِنُوا بِاللّٰهِ الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ، الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاللّٰهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ "[سورہ بروج:۸، ۹] (اور انھوں نے اُن سے صرف اِس کا انتقام لیا کہ وہ اللہ پر ایمان لائے تھے جو غالب، ستائش کے قابل ہے، جس کے لیے آسمانوں اور زمین کی بادشاہت ہے اور اللہ ہر چیز پر گواہ ہے)۔

اِس میں بھی کوئی دو رائے نہیں ہے کہ اِن مجرموں، ظالموں اور بدقماشوں نے اپنے ضمیر کا سودا کردیا ہے اور اُس کو چند ٹکوں کے بدلے فروخت کردیا ہے، جس کا نتیجہ ہے کہ یہ لوگ بغیر کسی تأمل وتردد کے مسلمانوں کے خلاف ناپاک اور مجرمانہ کارروائیاں کررہے ہیں، انھیں یہ ڈر ہے کہ اسلامی شریعت اگر روبعمل آگئی تو ہماری قیادت وسیادت خطرہ میں پڑجائے گی، اور ہمارا پورا ازم اور نظام بے سود ثابت ہوں گے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:"إِنَّ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَاسْتَكْبَرُوا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ وَلَا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتَّىٰ يَلِجَ الْجَمَلُ فِي سَمِّ الْخِيَاطِ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُجْرِمِينَ" [سورہ اعراف:۴۰] (یقیناً جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور اُس سے سرموانحراف کیا تو آسمان وزمین کے دروازے اُن کے لیے نہیں کھلیں گے، اور نہ جنت کا داخلہ انہیں نصیب ہوگا تا آنکہ اونٹ سوئی کے ناکہ میں داخل ہوجائے، اور اِس طرح ہم مجرموں کو سزادیا کرتے ہیں، اُن کے لیے جہنم ہی کا بچھونا ہوگا اور اوپر سے اُسی کا اوڑھنا، اور اِسی طرح ہم ظالموں کو اُن کے کیے کا بدلہ دیا کرتے ہیں)۔

تہذیبی یلغار کی متعدد صورتیں

جس کسی نے مادی تہذیبوں اور مادی ثقافتوں کا مطالعہ کیا ہو، نیز اُس کے ہلاکت خیز سایے میں کچھ وقت بھی گزارا ہو تو اُس کے لیے یہ بات ڈھکی چھپی نہیں کہ جو لوگ عالمی پیمانے پر فساد انگیزیوں اور ریشہ دوانیوں میں پیش پیش رہتے ہیں تو اُن کی حیثیت یہ ہے کہ وہ گوشت پوست اور ہڈیوں کا مجموعہ ہیں، اور پھر اُن کے دل لاعلاج مرض میں مبتلا رہتے ہیں، اور اُن کی غفلت کی انتہا یہ ہوتی ہے کہ وہ جن و انس کی تخلیق کے مقصدِ عظیم سے نابلد رہتے ہیں، نیز نہ اُن میں اچھائی اور برائی اور خیر وشر کی تمیز کی صلاحیت رہتی ہے، جیسے یہ آیتِ کریمہ اِس صورتحال کی کلی طور پر عکاسی کرتی نظر آتی ہے کہ:"فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضاً وَلَهُم عَذَابٌ أَلِيمٌ بِمَا كَانُوا يَكْذِبُونَ" [سورہ بقرہ:۱۰] (اُن کے دلوں میں روگ ہے چنانچہ اللہ تعالی نے اُن کے روگ اور بیماری میں اضافہ کردیا ہے، اور اُن کے لیے دردناک سزا تیار ہے، کیونکہ وہ جھوٹ بولا کرتے تھے)، گویا وہ شہوت پرستوں، دولت پرستوں اور مادہ پرستوں کی وہ جماعت ہے، جو اسلام اور اُس کے شعائر کے خلاف عالمی پیمانے پر منصوبے بنارہی ہے، اور اُس کے خلاف سازشوں کا جال بن رہی ہیں، اور جو ہر ممکن طریقے سے اسلام کی شبیہ خراب کرنے پر تلی ہوئی ہے، اور جس کا ٹارگیٹ (Target) اسلامی طریقہ، اسلامی نظام اور دینی تعلیمات ومضبوط ایمانی شواہد میں شکوک و

شبہات کو راہ دینا ہے، وہیں وہ مسلم معاشروں میں شرک وکفر کی شکل میں فتنوں کو سر اٹھانے اور فواحش ومنکرات اور بے حیائیوں کے رواج دینا ہے، اور اُس نے اپنی تمام تر توجہ اِس بات پر مرکوز کردی ہے کہ تمام شعبہائے زندگی میں تبدیلی کی جائے، اور تبدیلی کی یہ کوشش کبھی وہ علم کے نام پر ہورہی ہے، تو کبھی ٹیکنالوجی کے نام پر، تو کبھی اِس بات کا نعرہ لگا کر کہ ہم زمانے کے ساتھ چلنا چاہتے ہیں، نیز جدید تہذیبی وثقافتی فلسفوں سے استفادہ کرنا ہے، اور پھر اِس کے نتیجے میں وہ شریعتِ اسلامیہ میں ترمیم وتبدیلی کے خواہاں ہے، بہرکیف اِن تمام تر ناپاک کوششوں کے پسِ پردہ دشمنانِ اسلام کا صرف یہی مقصد اور یہی منشا ہے کہ کس طرح اسلامی زندگی خطِ مستقیم اور اللہ کے بتائے ہوئے سیدھے رستے سے دور ہوجائے۔

شریعت سے انحراف اور یورپ کی تقلید

ہماری مغرب زدہ نوجوانوں اور مغربی تعلیم یافتہ حضرات کی اکثریت ہے، جو بہ نسبت دیگر لوگوں کے دشمنوں کی طرف سے کی جانے والی اِن سازشوں کا زیادہ شکار ہورہے ہیں، اور ان لوگوں کا حال یہ ہے کہ وہ اسلام اور شریعتِ اسلامی کے بتائے ہوئے اصولِ حیات کو چھوڑ کر یورپ کے نظریہ حیات کی پیروی کرنے لگے ہیں، اِسی طرح متعدد شعبہائے حیات جیسے اقتصادیات، مالیات، طب، تعلیم وتربیت اور اوقاف کے سلسلہ میں مادی تہذیب کے پیدا کردہ بہت سے جدید مسائل میں ہمارے سرکردہ حضرات اور مسلم لیڈران کا موقف بھی یورپ کا سا نظر آنے لگا ہے، تو کچھ لوگوں کا یہ نقطہ نظر ہے کہ عصرِ حاضر میں شریعتِ ربانی اور قانونِ الٰہی اُن مشکلات ومسائل سے دوچار ہے، جو مسائل قرنِ اول میں بھی پیش نہیں آئے، جبکہ اُس دور میں کوئی ترقی یافتہ تہذیب کا وجود نہیں تھا، تو آج جبکہ علمی اور ٹیکنالوجی ترقی اپنے عروج کو پہنچی ہوئی ہے، تمدن کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا جارہا ہے، نیز انسانی مصالح بھی روز افزوں ہیں تو پھر ایسی صورتحال میں شریعتِ اسلامیہ بدرجہ اولی تبدیلی وترمیم کی محتاج ہے۔

اِس میں بھی کوئی شک نہیں ہے کہ دورِ حاضر میں نوجوانوں کا ایک بڑا طبقہ مغرب کی سحر آفرینی اور رنگینی، ظاہری بناوٹ، پُرفریب شان وشوکت مبنی برزوال طاقت ودولت سے متاثر نظر آرہا ہے، تاہم لہو ولعب کے ایسے وارفتہ ہیں کہ زندگی کے گوہر بے بہا اور گرانقدر لحات کا بھی انہیں خیال نہیں، نیز اپنے اندر موجود خداداد علمی، دینی، سیاسی اور قائدانہ صلاحیتوں کو غیر شعوری طور پر بے دردی سے ضائع کررہے ہیں، اور اِس بات کا انہیں احساس تک نہیں ہے کہ ہماری زندگی کا اصل سرمایہ اور اصل پونجی ضائع ہورہی ہے، اسی طرح وہ اپنی بلند اقدار سے بھی بے بہرہ ہیں، یہاں تک کہ وہ حقائق جن میں اُن کے عروج وترقی اور قیادت وسیادت کے راز پنہاں ہیں، اُن سے بھی بالکل ناواقف ہیں۔

اھل دعوت کے لیے لمحۂ فکریہ

اِس تشویشناک صورتحال میں اب یہ ذمہ داری علمائے امت اور مفکرین ملت کے کاندھوں پر آجاتی ہے، اِسی طرح ہر اُس شخص پر جو ایسے حالات پر کڑھتا ہو کہ جن میں مسلمان موجودہ صورتحال کو درست کرنے، نیز شریعتِ اسلامیہ کے تحفظ کی خاطر جدوجہد کررہے ہیں، اور اس بات کی کوشش کررہے ہیں کہ کس طرح اسلامی نظام اور شریعتِ اسلامیہ کا نفاذ زندگی پر ہوجائے، جس کی بنا پر وہ زندگی اور وہ تمام سرگرمیاں جو مادی وسائل سے ایک طرح کی کشمکش میں مبتلا ہیں، اسلامی معاشروں میں ضم ہوجائیں گے، کیونکہ ان مادی کوششوں اور ان مادی طاقتوں کے پیشِ نظر یہی ہے، اور جس کے لیے وہ انتھک کوششیں کررہی ہیں کہ کس طرح اسلام کا صفحہ ہستی سے صفایا کردیا جائے، اور اُس جاہلیت کے دورِ اول کی ترویج کی جائے جو فطرتِ انسانی اور زندگی کے کسی بھی گوشے سے ہم آہنگ نہیں ہے۔

اسلامی شریعت ایک زندہ شریعت

اِس حقیقت کا اگر بغور مطالعہ کیا جائے تو یہ بات الم نشرح ہوجاتی ہے کہ شریعتِ اسلامی اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ شریعت ہے، اور وہ ایک زندہ شریعت ہے، اُس میں زندگی کے تمام حالات کا تفصیلی ذکر ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس شریعت کو لوگوں کے سامنے عملی شکل میں پیش کیا، اس میں تمام مسائل کا حل موجود ہے، ہماری موجودہ پستی کا واحد سبب شریعت سے دوری ہے، ہم نے شریعت کے ساتھ اجنبیت کا ثبوت دیا ہے، جس سے بے شمار مسائل پیدا ہورہے ہیں، اگر ہم شریعتِ اسلامی پر صد فیصد عمل کرلیں تو ہمارے مسائل حل ہوجائیں گے۔

ترجمانی: محمد انصار (علیا ثانیہ ادب)

☆☆☆☆☆

فکرمعاصر

'پیام انسانیت' اور حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ

● ....مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی

تحریک ''پیام انسانیت'' کا قیام، حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی ایمانی فراست اور انسانیت کی فکرمندی کا جیتا جاگتا ثبوت ہے، حالانکہ بعض مسلم قائدین نے اپنے اس خدشہ کا اظہار کیا کہ یہ تحریک وحدت ادیان کا اسٹیج ثابت ہوسکتی ہے اور اسلام کی دعوت کے عمل و حرکت میں رکاوٹ پیدا کرسکتی ہے، لیکن یہ حقیقت اب تسلیم شدہ ہے کہ یہ تحریک انسانی سلوک وکردار کی اصلاح، تمام ادیان کے متفق علیہ امور ومعاملات میں اخلاقی اقدار کی پاسداری کا بہترین اسٹیج ثابت ہوئی ہے، نیز یہ تحریک مادیت، حب مال، حب جاہ اور مصلحت کوشی کی دلدادہ سوسائٹی کی اصلاحی ضرورت اور موجودہ زمانہ کی پکار ہے، یہی وجہ ہے کہ اس تحریک نے سارے ادیان وملل کی طرف سے داد تحسین حاصل کی ہے، ان انسانی اغراض ومقاصد کے علاوہ یہ تحریک مسلم اور غیرمسلم کے درمیان حائل خلیج کو پاٹنے میں بڑی سودمند ثابت ہوئی ہے، نیز ایک دوسرے کے ساتھ مل بیٹھنے کا موقع فراہم کرتی ہے تاکہ اسلام اور مسلمانوں کے مخالف ودشمن تحریکات نے ان کے سلسلہ میں جوشکوک و شبہات جنم دیے ہیں، ان کا قلع قمع کیا جاسکے، نیز یہ تحریک اسلام کی صاف ستھری تاریخ پیش کرنے کا مؤثر ذریعہ ثابت ہوئی، فی الواقع مستشرقین اور ان کے چالاک تلامذہ نے اسلامی تاریخ کو مسخ کرکے پیش کیا ہے اور یوں اسلام اور مسلمانوں کو پوری دنیا میں بدنام کرنے کے لیے تاریخ نویسی کو اپنا آلہ بنایا ہے، لیکن اس تحریک کو اس سلسلہ میں بڑی کامیابیاں حاصل ہوئیں، چنانچہ بعض غیرمسلم قائدین اور دانشوروں نے اس حقیقت کا برملا اظہار کیا کہ اس تحریک سے پہلے لوگ اس سے بالکل ناواقف تھے کہ مسلمانوں کے دل بھی انسانیت اور وطن کا درد ومحبت رکھتے ہیں، ان کو تو صرف یہی معلوم تھا کہ مسلمان صرف تیروتبر اور شمشیر وخنجر کے رسیا ہیں۔

جب حضرت مولاناؒ نے مشاہدہ کیا کہ اجتماعی حالات تیزی سے بگڑ رہے ہیں، ملک اخلاقی انارکی، بلکہ قومی واجتماعی خودکشی کی طرف جارہا ہے، اخلاقی قدریں بیدردی سے پامال کی جارہی ہیں، خودغرضی بلکہ خودپرستی کا جنون سب پر سوار ہے، انسان کی جان ومال، عزت وآبرو کا احترام تیزی سے رخصت ہورہا ہے، تو اس خطرناک صورت حال کے مقابلہ کے لیے مولانا کمربستہ ہوگئے، اور اجتماعی اصلاح کے لیے پیام انسانیت تحریک شروع کردی، مولانا کا خیال تھا کہ انسانی معاشرہ ایک کشتی کے مانند ہے، جب یہ کشتی ڈوبے گی تو اس میں سوار تمام مسلم اور غیرمسلم ڈوبیں گے۔

۱۹۸۲ء میں حضرت مولاناؒ نے ہندوستان کے مختلف شہروں کا دورہ کیا، دانشوروں اور مختلف طبقات کے رہنماؤں سے ملاقاتیں کیں اور مشترک عوامی اجتماعات میں موثر تقریریں کیں، ۲۹؍ دسمبر ۱۹۸۸ء میں حیدرآباد میں ''پیام انسانیت'' کے عنوان سے منعقدہ ایک اجتماع میں تقریر کرتے ہوئے مولانا نے فرمایا:

''ہرانسان کے لیے دوگھر ہیں، ایک تو وہ گھر جس میں وہ اور اس کے خاندان کے افراد مقیم ہیں، اور ہرایک کی خواہش ہوتی ہے اس کا یہ گھر ہر اعتبار سے مامون ومحفوظ ہو کہ پورے امن و سلامتی کے ساتھ اس میں رہ سکے، اور یہ بھی کوشش ہوتی ہے کہ اس کے گھر میں محبت وبھائی چارگی، امن واطمینان اور باہمی اعتماد واحترام کی فضا بنی رہے، یہ وہ چھوٹا سا گھر ہے جو اس کی پناہ گاہ ہے اور اس کی سلامتی اس میں رہنے والوں کی فطری ضرورت ہے۔

پہلے گھر کی طرح ہرفرد کا یہاں دوسرا گھر بھی ہے، جو پہلے گھر سے بڑا ہے، یہ دوسرا اور بڑا گھر وہ ملک ہے جس کا وہ باشندہ ہے، ہم اکثر اوقات میں اس حقیقت کو بھول جاتے ہیں کہ دونوں گھر ہمارے ہی ہیں، ایک تو چھوٹا گھر، چاہے وہ کتنا ہی بڑا اور وسیع رقبہ زمین پر قائم ہو، لیکن وہ اس ملک کے اعتبار سے بہت چھوٹا ہے، جس میں لاتعداد گھرانے اور خاندان رہتے ہیں، اسی طرح ہر چھوٹے گھر کا مفاد بڑے گھر کے مفاد سے وابستہ ہے، لہٰذا جب بڑے گھر کا نظام بگڑے گا تو چھوٹے گھر کا بھی سکون غارت ہوجائے گا''۔

[کاروان زندگی: ج۴/ص۵۵]

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے

خطاب کو جاری رکھتے ہوئے مزید فرمایا:

''کسی بھی معاشرہ کا بگاڑ اور اخلاقی اصول سے نظر اندازی، حرص وطمع، مال کی بڑھی ہوئی محبت، ظلم وزیادتی، ناجائز قبضہ اور برائیوں کا اثر اس میں ملوث افراد ہی تک محدود نہیں رہتا، بلکہ اس کے اثرات پورے معاشرہ میں پھیل جاتے ہیں، اور ہر وہ معاشرہ جوان جرائم پیشہ افراد کو نظر انداز کرتا ہے وہ خود ان جرائم میں مبتلا ہو جاتا ہے، ہمیں تاریخ میں بہت سی ایسی تہذیبیں اور ثقافتیں نظر آتی ہیں، جو عرصہ دراز تک ترقی کے بام عروج پر متمکن تھیں، لیکن جب اس میں اخلاقی انتشار عام ہوا، حرص وہوس اور مال کی بڑھی ہوئی محبت نے غلبہ پایا، انسانی ناموس وعزت کو پامال کیا جانے لگا اور لوگ اپنی نفسانی خواہشات اور ذاتی اغراض کو پورا کرنے میں لگ گئے، دین ومذہب کی تعلیمات اور اخلاقی قدروں کو پس پشت ڈال دیا گیا، اور ان کی تحقیر وتضحیک کا معاملہ شروع ہو گیا، تو یہ ترقی یافتہ تہذیبیں برباد اور نیست ونابود ہو گئیں، مثلاً روم ٹھیک اس وقت اپنی برائیوں کی آگ میں جل رہا تھا، جب وہاں کے فلاسفہ، ادباء وشعراء اپنی بحث ونظر، تحقیق و تخلیق میں ہمہ تن مصروف ومنہمک تھے، اور نئی نئی تحقیقات، انکشافات وایجادات اور علمی کارناموں کا انبار لگا کر معاشرہ کو مسحور ومبہوت کر رہے تھے، لیکن چونکہ اندر سے معاشرہ کو گھن لگ چکا تھا، بگاڑ اور فساد گھروں سے نکل کر بازاروں اور سڑکوں تک پھیل چکا تھا، چھوٹے بڑے ہر طرح کے گھرانے اس میں ملوث تھے، مختلف طبقات آپس میں برسر پیکار تھے، ہر شخص بربادی، ظلم وزیادتی کے دہانہ پر کھڑا تھا، انہی وجوہات کی بنا پر جب آتشیں آندھی چلی تو اپنی فتوحات، تعمیرات، تہذیب اور معیار معیشت میں غیر معمولی ترقی کے باوجود (جو ضرب المثل کی حد تک پہونچ گئی تھی) رومن امپائر اس سے بچ نہ سکا اور نہ اس کا دفاع ہی کر سکا''۔

[کاروان زندگی: ج ۴/ص ۵۷]

حضرت مولاناؒ نے ایک دوسرے اجتماع میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ:

''آج ضرورت اس بات کی ہے کہ شخصی وسیاسی مفادات ومقاصد اور قومی عصبیت سے بلند ہو کر انسانی دنیا کے سامنے وہ بلند حقائق اور انسانی قدریں پیش کی جائیں جو انسان کی نجات اور پرامن زندگی کے لیے ضروری ہیں، اور یہی وہ حقائق ہیں کہ اگر ان کو نظر انداز کیا گیا تو ہماری تہذیب اور ہمارا سماج زبردست خطرات سے دوچار ہو جائے گا اور انسانیت سخت ترین ٹکراؤ کا شکار ہو جائے گی، انبیائے کرام نے اپنے اپنے زمانہ میں انہی حقائق کی دعوت دی اور ان کی اشاعت وحفاظت میں جان کی قربانیاں پیش کیں، اور آج بھی یہ حقائق انسان کے لیے نفع بخش ہیں، اور ان کی تاثیر واہمیت باقی ہے، اور یہی حقائق انسان کو کامیابی وکامرانی سے ہمکنار کر سکتے ہیں، لیکن مادی اور دنیا پرست تحریکوں، تنظیموں اور قومی رجحانات نے نگاہوں پر موٹے موٹے پردے ڈال دیے ہیں، لیکن ضمیر انسانی اس سب کے باوجود آج بھی زندہ ہے، اور انسان کا دل ودماغ جامد نہیں، متحرک ہے، لہٰذا اگر یہ حقائق اخلاص ومحبت، اپنائیت ودردمندی، ناصحانہ اور عام فہم انداز میں پیش کیے جائیں تو انسانی ضمیر ان کو قبول کریں گے، اس لیے کہ انسان جانتا ہے کہ یہ دعوت اس کے زخموں کے لیے مرہم ہے''۔

یہ حقیقت ہے کہ اس تحریک نے مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان حائل خلیج کو پاٹنے اور ان کے مابین قربت پیدا کرنے کا اپنا مقصد اصلی پورا کر لیا اور ایک ہی پلیٹ فارم پر ان کے مخالف ومعاند جمع ہوئے اور ان لوگوں نے حضرت مولاناؒ کی گفتگو، تقریر اور تحریر سننے اور پڑھنے کے بعد اس بات کا اعتراف کیا کہ یہ تحریک واقعۃً اس زمانہ کی ضرورت وپکار ہے، نیز مسلمانوں کے سلسلہ میں ان کا تصور تبدیل ہوا، اور مسلمانوں کے مسائل کے سلسلہ میں ان کے موقف ورویہ میں تبدیلی بھی آئی، بلکہ بعض لوگوں نے مسلمانوں کے مسائل کو حل کرنے کے لیے اپنی خدمات پیش کیں اور مسلمانوں کی حمایت اور مدافعت کرنے والے بن گئے، نیز یہ لوگ فرقہ وارانہ فسادات کے علاقوں کا دورہ کرنے اور ریلیف اور ہنگامی امداد کے کاموں میں شریک وپیش پیش رہے۔

یہ حقیقت بھی قابل ذکر ہے کہ تحریک ''پیام انسانیت'' کے اجتماعات بعض جگہوں پر فتنوں کی سرکوبی اور مسلمانوں کے خلاف پائی جانے والی عصبیتوں اور نفرتوں کی بیخ کنی میں بڑے مدد ومعاون ثابت ہوئے ہیں۔

☆☆☆☆☆

تہذیبی ارتداد

ملی بقا اور دینی تحفظ کا مسئلہ

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

ایمان کچھ حقیقتوں کو ماننے کا نام ہے، جن میں سب سے اہم اللہ پر، رسول پر، اللہ کی کتاب پر اور آخرت پر ایمان لانا ہے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صرف ایمانیات ہی پر زور نہیں دیا، بلکہ عبادات، معاملات اور زندگی کے تمام شعبوں میں اپنی ہدایات سے سرفراز فرمایا اور پوری قوت اور تاکید کے ساتھ امتِ مسلمہ کو ان تعلیمات پر کاربند رہنے کی تلقین فرمائی، کیوں کہ کسی قوم کے لیے اپنے تشخص کو برقرار رکھنا صرف عقیدہ کے ذریعہ ممکن نہیں، بلکہ تہذیب و معاشرت کو بھی اس میں بڑا دخل ہے، ہندوستان میں کتنی ہی قومیں ہیں، جو آج ہندو قوم کا حصہ بن چکی ہے، وہ اعتقادی اور نظریاتی اعتبار سے اپنا الگ وجود رکھتی ہیں، لیکن انھوں نے دوسری قوموں سے سماجی اور تہذیبی فاصلہ قائم نہیں رکھا، رہن سہن، لباس و پوشاک، خورد و نوش، شادی بیاہ، خوشی اور غم کی تقریبات وغیرہ میں انھوں نے اپنا رنگ برقرار نہیں رکھا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آہستہ آہستہ انھوں نے اپنا تشخص کھو دیا اور آج ہندو قوم ان کو اپنا ایک حصہ تصور کرتی ہے۔

اس وقت پوری دنیا میں اس بات کی کوشش کی جارہی ہے کہ مسلمانوں کو ان کے مذہبی تشخص سے محروم کردیا جائے، کیوں کہ جب کوئی قوم اپنی سماجی انفرادیت سے محروم ہوجاتی ہے، تو وہ آہستہ آہستہ دین و مذہب ہی سے اپنا رشتہ توڑ لیتی ہے اور اگر وہ کسی دوسرے مذہب کے دائرہ میں داخل نہ ہو، جب بھی الحاد و انکار کا راستہ اختیار کرلیتی ہے، یا کم سے کم وہ مذہب کے بارے میں غیر سنجیدہ رویہ اختیار کرلیتی ہے، غیر سنجیدہ رویہ سے مراد یہ ہے کہ مذہب سے اس کی کوئی ذہنی اور فکری وابستگی نہیں ہوتی، البتہ وہ اسے ایک خاندانی روایت سمجھ کر ڈھوتی رہتی ہے، مذہبی اقدار پر اس کا کوئی یقین نہیں ہوتا، البتہ خاندانی روایت کے تحت خاص خاص مذہبی تقریبات اور تہواروں میں اس کی شرکت ہوجاتی ہے اور گاہے گاہے کچھ عبادت کی توفیق میسر آجاتی ہے، لیکن حلال وحرام، معاملات، کسبِ معاش اور سماجی زندگی میں مذہب کے لیے کوئی خانہ نہیں ہوتا، اسی کیفیت کو 'تہذیبی ارتداد' سے تعبیر کیا گیا ہے۔

یہ ارتداد دبے پاؤں آتا ہے، غیر محسوس طریقہ پر داخل ہوتا ہے اور ایسا میٹھا زہر بن کر حلق سے اترتا ہے کہ زہر کا کھا کر بھی انسان تحسین وآفریں کے کلمات کہہ اُٹھتا ہے، یہ ارتداد نہ سوئے ہوؤں کو جگاتا ہے، نہ غافلوں کو متوجہ کرتا ہے، نہ فکرمند دلوں میں تلاطم پیدا کرتا ہے، نہ قلب و ذہن کو جھنجھوڑتا ہے اور نہ اس کی وجہ سے سماج میں کوئی ہلچل پیدا ہوتی ہے، یہ اس بیماری کی طرح ہے، جو بہ ظاہر ہلکی ہو، لیکن بتدریج انسان کو موت کی طرف لے جائے اور یہ ایسا نشہ ہے کہ مقتول خود قتل کی طرف بڑھتا چلا جاتا ہے، اس لیے اس ارتداد کو خوب سمجھنے، اس کے اسباب پر نظر رکھنے اور اس کے نتائج وعواقب پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔

اس وقت پوری دنیا جو بنیادی طور پر یہودی دماغ اور یہودی منصوبہ بندی کی آلۂ کار بنی ہوئی ہے اور اس کے اشارۂ چشم وابرو پر رقصاں ہے، اس بات کے لیے کوشاں ہے کہ اگر مسلمانوں کو کھلے عام مرتد نہیں کیا جاسکتا، تو ان پر ایسی زبردست تمدنی یلغار کر دی جائے کہ وہ خوشی خوشی تہذیبی ارتداد کو قبول کرلیں اور اس مقصد کے لیے اتنے طاقتور حربے استعمال کیے جارہے ہیں کہ بہ ظاہر اس سے زیادہ دوررس اور قوی ومؤثر کوئی اور ذریعہ نہیں، ٹی وی نے اس رفتار کو بہت تیز کردیا ہے اور ڈش انٹینا کی وجہ سے مسلمان ملکوں اور مشرقی ملکوں میں ایسے فحش پروگرام کا ایک طوفان سا آگیا ہے کہ جن کا اسلام اور مسلم سماج میں تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا، اب انٹرنیٹ نے اس تہذیبی یلغار کو مزید طاقت ور بنا دیا ہے اور ایک ایسی چیز جو بہترین تعمیری اور تعلیمی مقاصد کے لیے استعمال ہوسکتی تھی، انتہائی تخریبی اور غیر اخلاقی مہم جوئی کا آلۂ کار بنی ہوئی ہے، اب جو نئی معاشی اصلاحات کا عمل پوری دنیا میں جاری ہے اور 'عالمیانے' کی نئی اصطلاح شروع ہوئی ہے، اس کے نتیجہ میں مغربی صحافت، مغربی لٹریچر اور مغربی کمپنیوں کے وساطت سے مخرب اخلاق غذائی اور غیر غذائی اشیاء کی آمد کا ایک سیل بلاخیز جاری وساری ہے۔

اس وقت اس منصوبہ کے نقوش مشرقی علاقوں میں اور مسلم ملکوں میں نہایت واضح طور پر دیکھے جاسکتے ہیں، ادھر چند برسوں میں عرب اور اسلامی ممالک میں خواتین کے لباس اس قدر تبدیل ہوگئے ہیں کہ امریکی ویورپی ملبوسات اور عرب خواتین کے ملبوسات میں کوئی فرق باقی نہیں رہا، بہت سے عرب اور مسلم ممالک وہ ہیں جہاں عوام تو کجا؟ علماء بھی داڑھی نہیں رکھتے، داڑھی جسے کسی زمانہ میں صلاح وتقویٰ اور شرافت واعتماد کی علامت سمجھا جاتا تھا، اب دہشت گردی اور شدت

پسندی کی پہچان سمجھی جاتی ہے، مجھے ایک بار حج کے موقع سے مکہ مکرمہ میں ایک ہوٹل میں ٹھہرنے کا اتفاق ہوا، جس کے استقبالیہ پر ایک دین دار، خوش شکل، مصری نوجوان لڑکا بیٹھا کرتا تھا اور اس کے چہرے پر داڑھی بہت بھلی محسوس ہوتی ہے، میں اکثر عشاء کے بعد مسجد سے واپس ہوتے ہوئے دو چار منٹ اس کے پاس بیٹھ جاتا، کبھی مذہب پر، کبھی عربی زبان کے بارے میں اور کبھی مصر میں مسلمانوں کے حالات کے متعلق اس سے گفتگو ہوتی، وہ بہت برجستہ اور بہت ہی بلیغ اور سہل عربی زبان میں گفتگو کرتا اور بہت ہی اخلاق ومروت سے پیش آتا، اس لیے اس نوجوان سے گفتگو کرتے ہوئے لطف سا آتا تھا، میں نے ایک دن کہا کہ مصر کے لوگ عام طور پر داڑھی نہیں رکھتے، لیکن آپ نے جو داڑھی رکھی ہے، یہ بہت اچھی بات ہے، اس سے آپ کے چہرے پر ایک نورانیت اور معصومیت سی معلوم ہوتی ہے، میری یہ بات سن کر وہ افسردہ سا ہوگیا اور اس نے سنجیدہ ہوکر کہا کہ شیخ آپ سچ کہتے ہیں، میں داڑھی رکھنا چاہتا ہوں، لیکن مصر میں داڑھی رکھنے میں بڑی مشکلات ہیں، ہمارے یہاں داڑھی رکھنے والوں کو باضابطہ اپنا رجسٹریشن کرانا پڑتا ہے، میں جب پہلی بار داڑھی رکھ کر اپنے وطن گیا تو مجھے سات آٹھ گھنٹہ ایرپورٹ پر تفتیش کے لیے روک لیا گیا اور میرے پورے اہل خاندان کو طلب کیا گیا، جن میں میری ماں اور بہنیں بھی تھیں اور ان سے بھی کافی دیر تک تفتیش کی گئی، اس کے بعد مجبوراً میں مصر جاتے ہوئے اپنی داڑھی صاف کرالیتا ہوں اور واپسی کے بعد پھر داڑھی رکھ لیتا ہوں، غور کیجیے! کیسا غضب ہے کہ ایک مسلمان ملک میں مسلمانوں کو داڑھی رکھنے کی اجازت نہ ہو، کاش! یہ اسرائیل ہی سے سبق حاصل کرتے جہاں یہودی مذہبی طبقے کے داڑھی رکھنے کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے، جب مسلمان ملکوں میں بسنے والے مسلمانوں کا یہ حال ہے تو ان مسلمانوں کے بارے میں کیا کہا جائے، جو مغربی ثقافت کے آغوش میں محوِ غفلت ہیں اور اسے دنیا ہی میں جنت تصور کرتے ہیں۔

اس وقت صورتِ حال یہ ہے کہ مغربی ممالک نے عرب اور اسلامی ممالک اور مختلف علاقوں میں بسنے والے تارکین وطن مسلمانوں کے لیے فراخ دلی کے ساتھ اپنا دامن دل کھول رکھا ہے، انھیں شہریت دی جاتی ہے، انھیں ملازمت اور مزدوری کے مواقع ملتے ہیں، اور انھیں اپنے ملکوں سے بڑھ کر شہری حقوق دے دیے جاتے ہیں، تارکین وطن خوش ہیں کہ انھیں پھلنے پھولنے اور آگے بڑھنے کے بھر پور مواقع ہاتھ آرہے ہیں، لیکن انھیں نہیں معلوم کہ وہ ان ممالک کے ہاتھوں اپنی اگلی نسلوں کا سودا کر رہے ہیں، چنانچہ لاکھوں عرب اور فلسطینی جو پچاس سال پہلے امریکہ گئے، اب ان میں مسلمان ہونے کی پہچان بھی باقی نہیں رہی، مذہبی شعور رخصت ہوا، رہن سہن بدل گیا، زندگی کے طور وطریق تبدیل ہوگئے، یہاں تک کہ ان کے نام میں بھی مسلمانیت کی کوئی بو باقی نہیں رہ گئی ہے، حالانکہ ان کے آباء واجداد راسخ العقیدہ مسلمان اور عرب تہذیب کے علمبردار بن کر یہاں آئے تھے، اگر آج ان گزری ہوئی روحوں کو دوسری زندگی دے دی جائے تو شاید ہی وہ خود اپنی نسل اور اپنی اولاد کو پہچان سکیں، یہ ہے اس تہذیبی ارتداد کا اثر، جو بتدریج افراد واقوام کو فطری اور اعتقادی ارتداد کی لے جاتا ہے!

اسی پس منظر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے کسی قوم کی مشابہت اور مماثلت اختیار کی، وہ ان ہی میں سے ہوگیا، اس روایت کو امام ابوداؤد نے حضرت عبداللہ بن عمر اور امام طبرانیؒ نے حضرت حذیفہ بن یمان سے روایت کیا ہے اور علامہ سیوطیؒ نے اس حدیث کو ''حسن'' یعنی مقبول قرار دیا ہے، [الجامع الصغیر، حدیث نمبر:۸۵۹۳] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد میں عقیدۂ وایمان میں غیر مسلموں سے مماثلت مراد نہیں ہے، کیوں کہ جو شخص عقیدہ کے اعتبار سے غیر اسلامی فکر اختیار کرلے، وہ تو پہلے ہی سے مسلمان نہیں ہے، اس کے غیر مسلموں سے مشابہت اختیار کرنے کے کیا معنی؟ لہٰذا اس حدیث میں عملی اور سماجی زندگی میں غیر مسلموں کے تشبہ سے منع فرمایا گیا ہے اور مختلف مسائل میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریح وتوضیح نے اس نکتہ کو مزید واضح کیا ہے، مثلاً آپ ﷺ نے سورج نکلنے، سورج ڈوبنے اور سورج کے نصف آسمان پر ہونے کے وقت نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے، اس کی وجہ کیا ہے؟ یہ کہ یہی اوقات عام طور پر مشرک اور آفتاب پرست قوموں کی عبادت کے رہے ہیں، جو قومیں سورج کی پرستار ہیں، وہ ان ہی اوقات میں سورج کی پوجا کرتی ہیں، اس لیے ان اوقات میں مسلمانوں کو نماز پڑھنے سے منع فرمایا گیا۔

روزہ میں حکم دیا گیا کہ افطار جلدی کیا جائے، افطار میں تاخیر نہ کی جائے، کیوں کہ افطار میں تاخیر اہل کتاب کا طریقہ ہے، یومِ عاشوراء کے ساتھ مزید ایک روزہ رکھنے کا حکم ہوا، کیوں کہ اس دن یہود بھی روزہ رکھا کرتے تھے، تاکہ مسلمان اپنی عبادت میں ان سے ممتاز رہیں، حج میں بہت سے ایسے افعال جن کو مشرکین بہت اہمیت دیتے تھے، اسلام نے ان کو ختم کیا، یا ان میں تبدیلی پیدا کی، پھر یہی ہدایات آپ نے وضع قطع اور لباس وپوشاک کے

بارے میں بھی دی، مجوسی داڑھی منڈایا کرتے تھے، آپؐ نے اس سے منع فرمایا، اہل ایران اظہار فخر کے لیے ٹخنوں سے نیچے کپڑے پہنتے تھے، آپؐ نے اس پر سخت ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا، اہل مکہ سر میں مانگ بھی نکالا کرتے تھے، چنانچہ مکی زندگی میں آپؐ نے سیدھے بال رکھنے کو پسند فرمایا، تاکہ مسلمان ان سے ممتاز رہیں، مدینہ میں یہود سیدھے بال رکھتے تھے، تو وہاں آپؐ نے مانگ نکالنے کو پسند فرمایا، پھر جب تمام عرب نے اسلام قبول کرلیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دونوں طرح بال رکھنے کی اجازت مرحمت فرمادی، اسی طرح عرب یا تو صرف ٹوپی پہنتے تھے، یا صرف عمامہ باندھتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو ابتداءً ہدایت دی تھی کہ وہ ٹوپی اور عمامہ دونوں کا استعمال کریں، تاکہ ان کے اور مشرکین کے درمیان امتیاز باقی رہے، بعد میں جب اہل عرب ایمان لے آئے، تو آپؐ نے صرف ٹوپی یا صرف عمامہ کے استعمال کی بھی اجازت مرحمت فرمائی۔

دین کا یہ مزاج کہ مسلمانوں کو قومی اعتبار سے دوسری اقوام سے ممتاز اور متشخص رہنا چاہیے، فقہاء نے بھی اپنے اجتہاد و استنباط اور قانون شرع کی تشریح وتوضیح میں ہمیشہ اس کو ملحوظ رکھا ہے اور لباس وپوشاک، خوردونوش، عبادات، یہاں تک کہ عبادت گاہوں کے طرزِ تعمیر وغیرہ ہر مرحلہ پر ایک بنیادی اُصول کی حیثیت سے اس بات کو پیش نظر رکھا ہے کہ مسلمان ایک امتیازی شان اور وہ اپنے دین ومذہب اور تہذیب وتمدن میں دوسری قوموں سے ممتاز اور متشخص رہیں، کیوں کہ جب کوئی قوم اپنی تہذیب سے محروم ہوجاتی ہے اور تمدن وثقافت کے میدان میں دریوزہ گری پر اتر آتی ہے تو پھر آہستہ آہستہ وہ اپنے فکر وعقیدہ سے ہی ہاتھ دھو بیٹھتی ہے۔

ہندوستان میں اس وقت سنگھ پریوار کی جانب سے اس بات کی بھر پور کوشش کی جارہی ہے کہ مسلمان نماز پڑھیں، مسجدوں کو جائیں، عید بقرعید وغیرہ کرلیا کریں، لیکن اسلامی تہذیب کو خیر باد کہہ دیں، اس کے لیے بہ ظاہر معمولی، لیکن نتائج کے اعتبار سے دور رس اقدامات کیے جارہے ہیں، نصاب تعلیم میں تبدیلی لائی جارہی ہے، ہندوازم کو ایک نظریۂ وعقیدہ کے بجائے قومی ثقافت کے روپ میں پیش کیا جارہا ہے، اسکولوں میں دیویوں، دیوتاؤں کی مورتیاں رکھی جاتی ہیں، ہندو مذہبی تقریبات میں مسلمانوں کو دعوت دی جاتی ہے اور انھیں شریک کیا جاتا ہے اور ہمارے مسلمان نوجوان دیوالی اور ہولی میں ذوق وشوق کے ساتھ شریک ہورہے ہیں، مردوں اور عورتوں کے لیے دھوتی نما پائجامہ بنائے جارہے ہیں، بہت سے علاقوں میں مسلمان عورتیں ہندوانہ رسم ورواج کے مطابق سِندور لگاتی، یا کالی پوت کے ہار پہنتی ہیں، بین مذاہب شادی بیاہ کا رواج بھی بڑھ رہا ہے، بعض جگہ مسلمان بچوں کے ہندی نام بھی رکھے جارہے ہیں، ٹی وی پروگراموں کا ہندوکرن کیا جارہا ہے اور ہندو دیوتاؤں اور فرمانرواؤں کو قومی ہیرو کے روپ میں پیش کیا جارہا ہے اور اس طرح کی بہت سی چیزیں ہیں، جو ہمارے سماج میں دبے پاؤں آگے بڑھ رہی ہیں، آج ہم ان کے قدموں کی آہٹ سننے سے قاصر ہیں، لیکن اگر ہم نے حالات کو محسوس نہیں کیا تو مستقبل میں اس سے ناقابل تلافی نقصان کا اندیشہ ہے، اس لیے اس وقت اس تہذیبی ارتداد کی طرف بڑھتے ہوئے قدم کو پوری قوت کے ساتھ روکنے کی ضرورت ہے کہ یہ محض سیاسی وثقافتی مسئلہ نہیں، بلکہ اپنے دور رس اثرات کے اعتبار سے ہمارے ملی بقا اور دینی تحفظ کا مسئلہ ہے۔

☆☆☆☆☆

سید احمد شہید اکیڈمی کی تازہ پیش کش

صبر وتقویٰ کی زندگی

(سورۂ یوسف کی روشنی میں)

از: حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہٗ

(صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ وناظم ندوۃ العلماء، لکھنؤ)

صفحات: 72 قیمت: 60

رابطہ:

رابطہ: سید احمد شہید اکیڈمیؒ رائے بریلی

موبائل نمبر: 9919331295

تذکیر وارشاد

زبان کی حفاظت لازم ہے!

● ....مولانا محمد خالد ندوی غازیپوری

عن بلال بن الحارث المزني ان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وآله وسلم قال: إن الرجل ليتكلم بالكلمة من رضوان الله ما كان يظن أن تبلغ مابلغت، يكتب الله له بها رضوانه إلى يوم يلقاه، وإن الرجل ليتكلم بالكلمة من سخط الله ما كان يظن أن تبلغ ما بلغت، يكتب الله له بها سخطه إلى يوم يلقاه. [الحدیث]

ترجمہ: حضرت بلال بن حارثؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: کبھی آدمی اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی ایسی بات زبان سے نکال دیتا ہے جس کے بارے میں اسے گمان تک نہیں ہوتا کہ بلند درجے تک پہنچ جائے گی، اللہ تعالیٰ اس کے لیے قیامت تک کے لیے اپنی خوشنودی لکھ دیتا ہے اور کبھی آدمی اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کی ایسی بات زبان سے نکال دیتا ہے جس کے بارے میں اسے گمان تک بھی نہیں ہوتا کہ انتہائی نچلے درجہ کی ہوگی، اللہ تعالیٰ قیامت تک کے لیے اس کے لیے اس بات کی وجہ سے ناراضگی لکھ دیتا ہے۔

انسان کو اللہ عزوجل نے صاحب زبان بنایا ہے، اس زبان کو استعمال کی اسے قدرت دی ہے، اس کو وہ صحیح اور غلط دونوں طرح استعمال کرسکتا ہے، لیکن اسے اس حدیث کے ذریعہ یہ باور کرایا گیا کہ اس کی زبان سے نکلنے والے الفاظ اس کی زندگی کو کس حد تک متاثر کرسکتے ہیں، بسااوقات معمولی بات جو اللہ تعالیٰ کو پسند آگئی تو اس کا درجہ قیامت کے دن بلند کرنے کا ذریعہ ہوگی، اور رضائے الٰہی اور خوشنودی کا ذریعہ ہوگی، اور بہت چھوٹی بات لیکن وہ اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنے والی ہو تو اس کی حیثیت کو گرادے گی اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے غضب کا باعث ہوگی۔

اس لیے زبان کا استعمال بہت سوچ سمجھ کر کرنا چاہیے، ایک ایک لفظ اللہ عزوجل کے ہاں کاؤنٹ ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ" بات جو زبان پر آتی ہے، اس کی حفاظت ہوتی ہے، اس کے اثرات اور اکتسابات کا انکار نہیں کیا جاسکتا ہے۔

حدیث شریف میں یہ بھی آتا ہے کہ روزانہ زبان کے حضور میں سارے اعضائے انسان دست بستہ پیش ہوتے ہیں اور عرض گذار ہوتے ہیں کہ تو اگر ٹھیک رہے گی تو ہم سب کی خیر ہے، اس لیے کہ زبان کی غلطی کا خمیازہ جسم کے دیگر اعضاء کو اٹھانا پڑتا ہے، زبان تو اپنے حدود وحصار میں رہتے ہوئے محفوظ رہتی ہے۔

نطق یعنی بامفہوم بولنا انسانی زندگی کا امتیاز ہے، ساری مخلوق میں یہ وصف صرف اور صرف انسان کو حاصل ہے، اس لیے اس کو بڑا احتیاط رہنا چاہیے، ایک دوسری حدیث میں یہ مضمون بھی آیا ہے کہ: "جو شخص بھی اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر یقین رکھتا ہے، اسے چاہیے کہ یا تو اچھی بات کہے یا چپ رہے"، دراصل زبان سے جو الفاظ ادا ہوتے ہیں، ان کے پیچھے انسان کا ایمان، اس کے جذبات واحساسات اور اس کی پوری شخصیت ہوا کرتی ہے، زبان ان سب کا مظہر ہے، لہٰذا ہمیں ہنسی مذاق میں دلداری کو ملحوظ رکھنا چاہیے، اور دلآزاری سے پرہیز کرنا چاہیے۔

دلآزاری انسان کی قبیح صفات میں سے ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک سچے اور اچھے مسلمان کا یہ وصف بیان کیا ہے: "المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده" یعنی اچھا مسلمان وہ ہے جس کی دست درازیوں اور زبان درازیوں (یعنی دلآزاریوں) سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں، اس حدیث میں مسلم کی قید سے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ غیر مسلم کے ساتھ اس کی اجازت ہے، نہیں، ہرگز نہیں! بلکہ عام طور پر ایک مسلمان کا اپنوں ہی کے ساتھ زیادہ تر رہنا سہنا، اٹھنا بیٹھنا، کھانا پینا اور معاملات باہمی کا تصفیہ ہوتا ہے، تلخیاں اسی میں پیدا ہوتی ہیں، شکر رنجیوں کے ظہور کا یہی موقع ہوتا ہے، لہٰذا خاص طور پر یہ حدیث ہمیں اس طرف متوجہ کررہی ہے، اور جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر خصوصی زور دیا ہے کہ یہ شیوۂ آذری ہے، شیوۂ انسانی وایمانی ہرگز نہیں ہے۔

زبان اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے، تمام اعضاء انسانی کا وہ امتیاز ہے، کونین میں حسن وتجمل کا وہ آئینہ دار ہے، تمام مخلوقات میں انسانی عظمت کا شاہکار ہے، بلکہ وہ درِّ شاہوار ہے، جس سے انسان معاشرہ میں باوزن ہوتا ہے، اور اس کی قدر وقیمت میں اضافہ ہوتا ہے۔

لہٰذا ہمیں ہر حال میں زبان کی خاص فکر رکھنی چاہیے، اور اس کی معنویت کی اہمیت اور قدر وقیمت کو پہچاننا چاہیے۔

☆☆☆☆☆

اخبار امت

ہندوستانی مسلمانوں کے لیے صحیح راہِ عمل

مولانا جعفر مسعود حسنی ندوی

آپ متفق ہوں یا نہ ہوں لوگوں کا تو یہی خیال ہے کہ گرم تقریروں اور جذباتی بیانات سے مسائل حل ہوتے نہیں بگڑتے ضرور دیکھے ہیں، یہ مانا کہ سخت ردعمل اور چیلنج بھرا انداز سیاسی لیڈروں کی اپنی مجبوری ہوتی ہے، اسی سے ان کی لیڈری چمکتی اور اسی پر ان کی واہ واہ ہوتی ہے، یہ تسلیم کہ کبھی کبھی اور کہیں کہیں سخت لہجہ اور دھمکی آمیز رویہ اپنانے کی ضرورت پڑتی ہے، لیکن یہ بھی تو سچ ہے کہ ہر جگہ اور ہر وقت اس لہجہ میں بات کرنا اپنی بات کے اثر کو زائل کرنا، اپنے قد کو چھوٹا کرنا اور اپنے وزن کو ہلکا کرنا ہے۔

یہ بات بھی کچھ عجیب سی ہے کہ ہمارے بعض لیڈران جو مسلم اکثریتی علاقوں میں ایک محفوظ جگہ رہتے ہیں وہ اکثر ان مسلمانوں کو بھول جاتے ہیں جو غیر مسلم علاقوں میں غیر محفوظ جگہ بستے ہیں، اور ہوا کے گرم جھونکوں سے کچھ زیادہ ہی متاثر ہوتے ہیں، گرم مزاج لیڈروں کو برادران وطن کو چیلنج دینے اور ارباب حکومت کو پھٹکار لگانے سے پہلے یہ ضرور سوچ لینا چاہیے کہ ان کے اس چیلنج اور ان کی اس پھٹکار کا اثر ان علاقوں میں کیا پڑے گا جہاں ان کے بھائی اقلیت میں بھی ہیں اور چاروں طرف سے گھرے ہوئے بھی، محفوظ قلعوں میں رہنے والوں کو کچھ نہ کچھ خیال جھونپڑوں میں رہنے والوں کا بھی کرنا چاہیے، صرف لطف اندوزی کی خاطر بارش کی دعا کرنے سے پہلے ٹپکتی چھت والوں کی بے چارگی پر بھی نظر ڈال لینی چاہیے۔

غیر مسلم انتہا پسند لیڈران اگر ایک طرف نفرت کی آگ اگل رہے ہیں تو دوسری طرف ہمارے بعض گرم مزاج قائدین اس آگ پر نفرت کا تیل چھڑک کر ان بھڑکتے ہوئے شعلوں کو آسمان تک پہنچانے کا کام کر رہے ہیں، نفرت کی آگ جب لگتی ہے تو اکثریت کے لیے نہیں صرف اقلیت کے لیے ہی تباہ کن ثابت ہوتی ہے، اس کی ایک نہیں سیکڑوں مثالیں موجود ہیں، لیکن لوگوں کا حال یہ ہے کہ اگر آپ ان سے اس طرح کی تقریروں کے منفی اثرات پر گفتگو کریں تو وہ یہی کہیں گے کہ پھر بزدلوں کی طرح سنتے رہیے، ایسے لوگوں سے صرف یہی کہا جاسکتا ہے کہ بہادر بن کر پٹنے سے بہتر ہے کہ بزدل بن کر سن لیا جائے، بات اگر چہ پرانی ہے، لیکن برمحل ہے، بابری مسجد کا مسئلہ چل رہا تھا، بارہ بنکی میں اس طرح کے بعض گرم مزاج، پرجوش مقرروں نے اپنی شعلہ بیانی سے ماحول میں اتنی گرمی پیدا کردی کہ ایک بڑا فساد ہوگیا، پولیس فائرنگ میں کئی مسلمان شہید ہوگئے، اس رات مولانا علی میاں رحمۃ اللہ علیہ دہلی جارہے تھے، گرم مقرروں کا وہی ٹولہ اسٹیشن پہنچا اور جاکر مولانا علی میاں رحمۃ اللہ علیہ سے بہادروں کی طرح نہیں بزدلوں کی طرح فریاد کی کہ حکومت پر دباؤ ڈال کر پولیس ایکشن رکوائیے، مولانا نے اس وقت جو جملہ ان سے کہا، وہ بھی سن لیجیے، مولانا نے کہا، ''دوسروں کو تو آپ نے شہید کروادیا خود شہید نہیں ہوئے''؟

تاریخ سے بہت کچھ سیکھا جاسکتا ہے، بشرطیکہ تاریخ کا مطالعہ سیکھنے کے ارادہ سے کیا جائے، اور اس سے نتائج نکالنے کی کوشش کی جائے، آج سے ۱۴۰۰/سال پہلے جب خشک پہاڑوں سے گھرے مکہ نامی شہر میں ایک اقلیت تھی، صرف چار افراد پر مشتمل، ان میں بھی ایک خاتون اور ایک نوعمر بچہ، اس چار نفری اقلیت سے مختلف قبائل پر مشتمل وہاں کی اکثریت کو جو دشمنی اور نفرت تھی اس دشمنی اور نفرت کا دسواں حصہ بھی آج کسی بھی ملک میں کسی بھی اقلیت اور اکثریت کے درمیان نہیں پایا جاتا، لیکن چند ہی سال گذرے تھے کہ وہ اقلیت اکثریت میں بدل گئی، اور ایسی بدلی کہ پھر وہاں آج تک کوئی اقلیت ہی نہ رہی، کل تک جہاں صد فیصد کفر تھا آج وہاں صد فیصد اسلام ہے۔

کیا مکہ کی اس اقلیت کے تجربے کو آج دہرایا نہیں جاسکتا؟ کیا دشمنی کا جواب دوستی سے، نفرت کا محبت سے، بداخلاقی کا حسن اخلاق سے، جھوٹ کا سچ سے، سختی کا نرمی سے، آگ کا پانی سے، انتہا پسندی کا اعتدال پسندی سے، جوش کا ہوش سے، حق تلفی کا حق کی ادائیگی سے، کڑوے بول کا میٹھے بول سے، نہیں دیا جاسکتا؟ یوں تو ہم کہتے رہتے ہیں کہ ہمارے لیے نمونہ صرف ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور ہمارے نبی کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں لیکن کیا ہم ان نمونوں کو اپنانے کی

کوئی کوشش کرتے ہیں؟

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دشمنوں کی دشمنی کا جواب کیسے دیا؟ کیا اسی طرح جس طرح ہم دے رہے ہیں؟ دیکھیے فتح مکہ کے موقع پر آپ کا طرز عمل ہمیں کیا راہ دکھا رہا ہے۔

فتح مکہ کے دن جب آپ نے سنا کہ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان کو دیکھ کر کہا: "الیوم یوم الملحمة ، الیوم تُستحل الکعبة، الیوم أذل اللّٰہ قریشا " (آج کا دن بدلہ کا دن ہے، آج کعبہ میں آزادی کے ساتھ عمل کیا جائے گا، آج اللہ نے قریش کو ذلیل کیا ہے) تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بدلہ "الیوم یوم المرحمة، الیوم یعز اللّٰہ قریشاً ویعظم اللّٰہ الکعبة" (آج رحمتِ عام کا دن ہے، آج اللہ قریش کو عزت دے گا، آج کعبہ کی عزت بڑھائی جائے گی) کا اعلان فرمایا اور سعد بن عبادہ سے جھنڈا لے کر ان کے بیٹے کو دیدیا، اور ساتھ ساتھ آپ نے ابوسفیان کے گھر کو دارالامان قرار دیا، آپ کے اس عمل کا نتیجہ یہ نکلا کہ ابوسفیان کی دشمنی محبت اور عداوت دوستی میں بدل گئی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو اپنے دشمنوں کے لیے بھی تڑپتے تھے، انتقام کے لیے نہیں ہدایت کے لیے، زیر کرنے کے لیے نہیں قریب کرنے کے لیے، توڑنے کے لیے نہیں جوڑنے کے لیے، آج ضرورت اسی نبوی بیقراری کو پیدا کرنے اور اسی محمدی تڑپ کو دلوں میں اتارنے کی ہے۔

غلط فہمیاں دور کرنے، بدگمانیاں ختم کرنے، دلوں میں اپنے اخلاق سے جگہ بنانے اور وطن اور اہل وطن کے لیے اپنی خیرخواہی کا یقین دلانے کا موقع پارلیمنٹ کے سیشن سے بہتر کوئی موقع نہیں، بشرطیکہ ہمارے قائدین تھوڑا سا یہ خیال کرلیں کہ وہ اپنی پارٹی کے ساتھ اسلام کے بھی نمائندے ہیں، جہاں ان کو اپنی پارٹی کے مفادات کا خیال رکھنا، اس کے ایجنڈے کے مطابق کام کرنا اور اپنی سیاسی مصلحتوں کو پیش نظر رکھنا ہے وہیں ان کی ذمہ داری ایک یہ بھی ہے کہ ان کو اسلامی اخلاق، اسلامی کردار، اور اسلامی گفتار کا نمونہ پیش کرکے اسلام کے بارے میں پائی جانے والی بدگمانیاں اور مسلمانوں کے بارے میں پیدا کی جانے والی غلط فہمیاں بھی دور کرنی ہیں۔

پارلیمنٹ میں برسر اقتدار پارٹی کے ممبران بھی ہوتے ہیں اور بال کی کھال نکالنے والے اپوزیشن پارٹیوں کے ممبران بھی، ان میں سے اکثر اسلام اور مسلمانوں سے بالکل ناواقف ہوتے ہیں نہ وہ اسلامی عقیدہ کے بارے میں کچھ جانتے ہیں نہ اسلامی عبادات کے بارے میں، نہ اسلامی اخلاق کے بارے میں کچھ علم رکھتے ہیں نہ اسلامی معاملات کے بارے میں، وہ قرآن کو رامائن کی طرح ایک کتاب سمجھتے ہیں اور نبی آخرالزمان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رام اور کرشن کی طرح ایک اوتار، وہ مسجد کو مندر کی طرح پوجا کی ایک جگہ (استھل) سمجھتے ہیں اور نماز کو مندر میں بجنے والے گھنٹہ کی طرح پوجا کا ایک طریقہ۔

اب آپ ہی سوچئے! اگر پارلیمنٹ میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کوئی قانون بنتا ہے، عدالتوں سے قرآن وحدیث کے خلاف کوئی فیصلہ آتا ہے تو کیا اس میں ہمارا قصور نہیں ہے؟ سیکڑوں سال سے اس ملک میں رہتے ہوئے اور یہاں کے غیر مسلموں کے شانہ بشانہ کام کرتے ہوئے ہم آج تک انہیں یہ نہیں بتا سکے کہ قرآن کیا ہے، حدیث کیا ہے، نماز کیا ہے، زکوٰۃ کیا ہے، روزہ کیا ہے، حج کیا ہے، مسجد کیا ہے، اذان کیا ہے، نکاح کیا ہے، طلاق کیا ہے، وراثت کیا ہے، چار شادیوں کا مسئلہ کیا ہے، دفنانے میں حکمت کیا ہے، ختنہ کا فائدہ کیا ہے، پردہ کا مقصد کیا ہے، داڑھی کا معاملہ کیا ہے۔

مزید بات اس وقت اور بگڑتی ہے جب حکومت اپنی ناواقفیت کی وجہ سے کوئی ایسا "بل" لاتی ہے جس سے کسی شرعی حکم کی مخالفت ہورہی ہوتی ہے تو اس پارٹی سے وابستہ کتنے مسلم ممبران اس "بل" کی تاویل در تاویل کرکے کسی نہ کسی طرح اس کو صحیح ثابت کرکے پارٹی کے تئیں اپنی وفاداری کا یقین دلاتے ہیں جبکہ دوسری طرف اپوزیشن پارٹیوں کے مسلم ممبران اسلام مخالف اس بل پر چیخ چیخ کر آسمان اپنے سر پر اٹھالیتے ہیں۔

مسلم ارکان پارلیمنٹ کی یہ تقسیم اور بل کی مخالفت کرنے والے ممبران کی خود اپنی بے عملی حکومت کو یہ پیغام دیتی ہے کہ ان کا یہ احتجاج اور ان کی یہ مخالفت صرف اور صرف سیاسی ہے، مذہب سے اس کا کوئی لینا دینا نہیں، کیوں کہ حکومت یہ دیکھتی ہے جو لوگ اس "بل" کی زبانی مخالفت کررہے ہیں عملی طور پر وہ خود اس "بل" کے مؤید ہیں، قول وفعل کا یہ تضاد بھی حکومت کو صحیح فیصلہ لینے سے روک دیتا ہے۔

ہر مسئلہ کو سیاسی رنگ دینا، فوراً ہی سڑکوں پر لے آنا، زندہ باد مردہ باد کے نعرے لگانا، مطالبہ کا وہ طریقہ اپنانا جو سیاسی پارٹیاں اپنایا کرتی ہیں،

صورت حال کو مزید خراب کردیتا ہے ، جمہوری ملک میں جمہور (عوام) کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، اگر ہم سڑکوں پر آئیں گے اور بھیڑ اکٹھا کرکے اپنی طاقت کا مظاہرہ کریں گے تو دوسرے بھی یہی راستہ اپنائیں گے، اور یہ راستہ اقلیت کے لیے نقصان دہ اور اکثریت کے لیے سودمند ثابت ہوگا، ماضی میں پیش آئے واقعات اس کے شاہد ہیں۔

ہمارے ملک کے چوٹی کے لیڈران اسلام سے کتنا واقف ہیں اس کا اندازہ اس واقعہ سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے ، مسلم مطلقہ عورت کے گزارہ کو لے کر ہندوستان میں ایک جنگ چھڑی ہوئی تھی ، راجیو گاندھی اس وقت وزیراعظم تھے ، اس مسئلہ کے حل کے لیے مسلم پرسنل لا بورڈ کے ذمہ داروں اور وزیراعظم راجیو گاندھی کے درمیان ملاقاتوں کا ایک سلسلہ چل رہا تھا، رمضان کا مہینہ آ گیا، اگلی ملاقات کے لیے جو دن طے ہوا وہ رمضان کا تھا، پرسنل لا بورڈ کے اس وقت کے صدر مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے راجیو گاندھی سے کہا کہ ہم لوگوں کے لیے رمضان میں دہلی آنا مشکل ہے ، کیوں کہ گرمی سخت ہے ، رمضان کے علاوہ کوئی اور دن بات چیت کے لیے رکھ لیا جائے ، اس پر راجیو گاندھی نے جو جواب دیا اس سے اس سطح کے لیڈروں کی اسلام سے عدم واقفیت کا اندازہ لگایئے اور سوچئے کہ ایسا ناواقف شخص ہمارے مذہبی معاملات میں کیسے صحیح فیصلہ لے سکتا ہے ، راجیو گاندھی نے کہا مولانا صاحب ! آپ لوگ رمضان کے روزے جاڑے میں کیوں نہیں رکھ لیتے ؟ مولانا نے کہا: راجیو جی! یہ بات آپ پبلک میں نہ کہہ دیجئے گا ورنہ شاہ بانو سے بھی بڑا مسئلہ کھڑا ہوجائے گا۔

بات ہنسنے کی نہیں افسوس کی ہے کہ مسلم ممبران پارلیمنٹ کی اتنی بڑی تعداد ہوتے ہوئے اور ۲۵ ؍ کروڑ مسلمانوں کے اس ملک میں رہتے ہوئے ملک کا وزیراعظم رمضان اور رمضان کے روزوں کے بارے میں اتنا بھی نہیں جانتا۔

پارلیمنٹ میں پیش کیے جانے والے بل اور زیر بحث آنے والے موضوعات میں کتنا دخل ہماری کوتاہی کا ہے کچھ دیر کے لیے یہ مسئلہ چھوڑ دیجیے ، عدالتوں کے فیصلوں پر ذرا نظر ڈالیے مسلم وکلاء کی طرف سے کی جانے والی اسلام کی غلط ترجمانی اور شریعت کی غلط تشریح کی بنیاد پر ہندو ججوں کے اسلام مخالف فیصلوں مذمت ان ججوں کی نہیں ان مسلم وکلاء کی کیجیے جو اپنے موکل کو جتانے کے لیے سارا زور جائز کو ناجائز اور ناجائز کو جائز کرنے میں صرف کردیتے ہیں، جو آیتوں کی غلط تفسیر، حدیثوں کی غلط تشریح اور مسائل کی غلط توضیح کرکے اسلام کے خلاف عدالتوں سے فیصلہ کروادیتے ہیں، پھر یہ فیصلہ آئندہ کے لیے ایک نظیر بن جاتا ہے، اور ہر آنے والا جج اسی نظیر کی بنیاد پر اپنے فیصلے دینے لگتا ہے۔

چند ماہ پہلے کی بات ہے لکھنؤ ہائی کورٹ میں ایک مقدمہ چل رہا تھا، مقدمہ ہبہ کا تھا، چند برقع پوش خواتین تھیں جن کا ایک مکان کے بارے میں یہ کہنا تھا کہ یہ مکان فلاں نے ان کو ہبہ کیا ہے، اسلامی قانون کے مطابق یہ مکان ان کو ملنا چاہیے، ان کے پاس ہبہ نامہ تھا جس سے ان کے بیان کی تصدیق ہوتی تھی، فریق مخالف کی طرف سے جو مسلم وکیل پیروی کررہا تھا مقدمہ ہارنے کے ڈر سے اس نے اس موقع پر جج کے سامنے اسلام کی غلط تشریح کی ، کیوں کہ یہی ہتھیار اب اس کے پاس بچا تھا، اس نے جج صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے کہا! ہبہ کرنے والے کی ذات دوسری ہے اور موہوب (جس کو ہبہ کیا گیا ہے) کی ذات دوسری، اور اسلام میں ہبہ صرف اپنی ذات والے کو کیا جاسکتا ہے ، اب آپ ہی بتایئے جج کو غلط راہ دکھانے والا اور شریعت کے خلاف فیصلہ کروانے والا کون ہے؟۔

لکھنؤ ہی کا واقعہ ہے ایک مسجد بن رہی تھی، بن کیا رہی تھی شہید کرکے از سر نو اس کی تعمیر ہورہی تھی ، مسجد اور دکانوں کو لے کر کچھ جھگڑا ہوا، جھگڑا اتنا بڑھا کہ عدالت تک گیا اور مسلمانوں ہی کی طرف سے یہ مقدمہ دائر ہوا کہ یہ مسجد نہیں مسجد کے نام پر تجارتی کامپلیکس تعمیر ہورہا ہے ، وقف بورڈ کے وکیل بھی ڈھیلے ڈھالے تھے ، بحث بھی ان کی ڈھیلی ڈھالی تھی ، ڈھیلے پن کی وجہ کیا تھی یہ تو وکیل صاحب ہی بتاپائیں گے ، بہرحال ڈھیلی بحث کا نتیجہ یہ نکلا کہ قریب تھا کہ جج صاحب اس مسجد کو تجارتی کامپلیکس تسلیم کرکے اس کو منہدم کیے جانے کے آرڈر کردیں وہ تو ان ہندو دکانداروں نے جن کی دکانیں مسجد کے آس پاس تھیں مسجد کے حق میں گواہی دی اور اس طرح مسجد منہدم ہونے سے بچی، ورنہ سوچیے اگر وہ آڈر ہوجاتا تو کتنا بڑا مسئلہ کھڑا ہوجاتا۔

شاہ بانو کا ذکر ابھی اوپر ہی گذرا ہے ،

(حالیہ طلاق ثلاثہ بل تو آپ کے سامنے ہی ہے) اس کیس کی تلخ یادیں اگر ذہن میں ہوں تو اس وقت کے کانگریس کے ایک مسلم ممبر پارلیمنٹ کی شریعت کے خلاف وہ بیہودہ تقریر بھی آپ کو یاد ہوگی، انہوں نے شریعت کے خلاف عدالت کے فیصلہ کی جس طرح کھل کر حمایت کی، غلط تشریح کرکے ممبران پارلیمنٹ کو راجیو گاندھی کے ذریعہ پیش کیے جانے والے بل کے خلاف ووٹ دینے کی پُرزور وکالت کی، اس سے صاف ظاہر ہوجاتا ہے کہ وہ اپنی انا کی خاطر کہیں بھی جاسکتے تھے اور کچھ بھی کہہ سکتے تھے وہ تو بھلا ہو اس وقت کے مرکزی وزیر ضیاء الرحمان انصاری کا کہ انہوں نے اس کی تقریر کی ہوا ہی نکال دی، اور پارلیمنٹ میں ممبران پارلیمنٹ کے سامنے مطلقہ کے خرچ کے سلسلہ میں صحیح اسلامی موقف پیش کرکے اس مسئلہ کو اس طرح واضح کردیا کہ پھر کسی کے دل میں کوئی اشکال باقی نہیں رہا، بالآخر پارلیمنٹ میں وہ بل منظور ہوا، جبکہ عارف محمد خان نے تو اپنی پوری کوشش کرلی تھی کہ شریعت کے حق میں یہ بل پارلیمنٹ سے منظور نہ ہو۔

عدالتوں میں چل رہے مقدمات کو اگر آپ دیکھیں اور مسلم وکلاء کی بحثیں سنیں تو آپ کو حیرت کے جھٹکے پر جھٹکے لگیں گے، داڑھی کے حق میں لڑنے والا وکیل بھی مسلمان اور داڑھی کو مسلمانوں کے لیے غیر ضروری قرار دینے والا وکیل بھی مسلمان!!

اسلام میں پردہ کی اہمیت پر بولنے والا وکیل بھی مسلمان اور پردہ کو غیر ضروری عمل قرار دینے والا وکیل بھی مسلمان!!

شریعت کے حق میں کھڑا ہونے والا وکیل بھی مسلمان اور شریعت کے خلاف بحث کرنے والا وکیل بھی مسلمان، اب آپ ہی بتائیے کیا کرے حکومت اور کیا کرے شریعت؟۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہاں جو کچھ ہورہا ہے یا کیا جارہا ہے وہ سب غلط فہمی کی بنیاد پر ہے، اور قصور اس میں مسلمانوں کا ہے، جی نہیں!! ایک تعداد یہاں ایسی بھی ہے جو صرف ٹکراؤ چاہتی ہے، وہ ٹکراؤ کے طریقے اختیار کرتی ہے، وہ غصہ دلاتی ہے، طیش میں لاتی ہے، سخت کلامی پر مجبور کرتی ہے، غیرت کو للکارتی ہے، حمیت کو جوش دلاتی ہے اور آخرکار جذبات کی رو میں بہنے والے لیڈروں سے وہ سب کہلوا دیتی ہے جو وہ کہلوانا چاہتی ہے، جس سے ان کو ماحول بگاڑنے اور مسلم مخالف محاذ بنانے کا موقع مل جاتا ہے۔

اس خیال کے لوگوں سے کیسے نمٹا جائے؟

اس کا بہتر طریقہ تو یہ ہے:

۱- بیت بازی سمجھ کر اس میں حصہ نہ لیا جائے۔

۲- ایسے عناصر کے خلاف مسلم سرمایہ داروں کے مالی تعاون سے مسلم وکلاء اور صاف ذہن کے غیر مسلم قانونی ماہرین کی خدمات حاصل کرکے عدالتی کارروائی کی جائے۔

۳- کوشش کی جائے ایسے لوگوں سے رابطہ کرنے، ان کی غلط فہمیوں کو دور کرنے، اسلامی اخلاق سے ان کو متعارف کرانے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے انسانی اور اخلاقی پہلوؤں کو ان کے سامنے لانے کی۔

۴- ٹھنڈے اور سلجھے انداز میں، شائستہ اور مہذب زبان میں، دلائل کے ساتھ ان کی باتوں کا جواب دے کرکے ذہنوں کو صاف کیا جائے۔

☆☆☆☆☆

(سات جلدوں پر مشتمل) آسان ہندی زبان میں ترجمہ وتفسیر

تفسیر فاروقی اور ہندی ترجمہ **قرآن مجید کا پیغام**

از - (مولانا) مفتی محمد سرور فاروقی ندوی

یہ مسلم وغیر مسلم اور نو مسلموں کے لیے آسان ہندی زبان میں تفسیر ہے جس میں ہر روز کے سبق کے اعتبار سے تقریباً دس دس آیتوں کا ترجمہ پھر ہر آیت کی الگ الگ تفسیر نمبر ڈال کر لکھی گئی ہے، پھر ہر آیت کا پہلے شان نزول، اس سے متعلق احادیث اور مسائل کے ساتھ غیر مسلموں کے عقائد وسوالوں کے جوابات اور سائنسی تحقیق وفضائل کا ذکر کیا گیا ہے۔

ناشر: مکتبہ پیام امن، ندوہ روڈ، ڈالی گنج، لکھنؤ

موبائل نمبر: 0998449015, 09919042879

روداد چمن

جـــزیـــرة الـــعـــرب

تـــاریـــخـیـــاً، ثـــقـــافـیـــاً و جـغـرافـیـــاً

حضرت مولانا مدظلہ کی شاہکار تصنیف ''جزیرۃ العرب'' کے عربی ایڈیشن کی رسم اجراء

رپورٹ: محمد معصوم سیفی

''جزیرۃ العرب سے واقفیت ہر مسلمان کی بنیادی ضرورت ہے، ہر مسلمان وہاں کا سفر کرتا ہے، اگر اس کو معلوم نہیں ہوگا تو اس سے جذباتی تعلق نہیں رہ سکتا، اور نہ ارکان ادا ہو سکتے ہیں، مثال کے طور ہم جن حضرات سے ملتے ہیں، اگر ان کے متعلق معلوم نہ ہو تو ان سے استفادہ نہیں ہو سکتا، اسی طرح مقامات مقدسہ کا بھی معاملہ ہے، جزیرۃ العرب وہ علاقہ ہے، جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرامؓ تھے، بلکہ وہ ان سے بھی قبل انبیاء کرام کا مسکن و مدفن ہے، حدیث وسیرت میں ان کا ذکر ہے، ہمیں معلوم ہونا چاہیے کہ مقام سَرِف کہاں ہے، حدیبیہ مکہ مکرمہ سے کتنے فاصلہ پر ہے، عربوں کی کئی قسمیں ہیں: عرب عاربہ، عرب مستعربہ، عرب بائدہ، کون سے عرب ہلاک ہوئے، اور کون حضرت اسماعیلؑ کی اولاد میں ہیں، شمالی اور جنوبی جزیرۃ العرب میں کون سے عرب آباد ہیں، یہ ساری معلومات اس تاریخ کو پڑھے بغیر حاصل نہیں ہوسکتیں''۔

مہمان خانہ ندوۃ العلماء میں ۲۳؍ربیع الثانی ۱۴۳۹ھ مطابق ۱۱؍جنوری ۲۰۱۸ء بروز جمعرات بعد نماز مغرب مرشد قوم وملت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ نے اپنی کتاب ''جزیرۃ العرب'' کے عربی ایڈیشن (جـزیـــرة العرب: تـاریـخـیـاً، ثـقـافـیـاً و جغرافیاً) کا رسم اجراء کرتے ہوئے ان خیالات کا اظہار کیا۔

حضرت مولانا مدظلہ نے مزید فرمایا کہ:

''آج سے نصف صدی قبل یہ کتاب ندوۃ العلماء کے ذمہ داروں خاص طور سے ہمارے بڑے ماموں جناب مولانا حکیم سید عبدالعلی حسنیؒ (سابق ناظم ندوۃ العلماء) کے ایماء پر لکھی گئی، انہوں نے حکم دیا کہ ان مقامات کا تعین کیا جائے جو سیرت وسنت میں بار بار آتے ہیں، ظاہر ہے کہ یہ کام نیا تھا، اس لیے اس میں بڑی جانفشانی کرنی پڑی، مسئلہ محنت کا نہیں تھا، بلکہ موضوع کی اہمیت کا تھا، اس طرح بحمد اللہ یہ کتاب تیار کی گئی، اس کتاب کا مطالعہ عوام کے لیے عموماً اور طلبائے مدارس کے لیے خصوصاً مفید ہے بلکہ ان کی دینی وایمانی ضرورت ہے، یہ کتاب ابھی تک اردو میں تھی، اب عربی میں شائع ہوئی ہے، اس کے لیے مولوی محمد فرمان ندوی شکریہ کے مستحق ہیں، جنھوں نے اس کو عربی میں منتقل کیا ہے، اس طرح کتاب کا دائرہ وسیع ہوگیا ہے''۔

مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی نے کہا کہ: ''یہ کتاب نہایت جامع اور اپنے موضوع پر مکمل ہے، بڑی جانفشانی اور عرق ریزی سے لکھی گئی ہے، یہ سینکڑوں کتابوں کا نچوڑ اور عوام وخواص کے لیے عظیم تحفہ ہے، میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ مصنف کتاب حضرت مولانا مدظلہ کس طرح آرام کے وقت کو اس کتاب کی تصنیف کے لیے فارغ کرتے تھے، میں اس کتاب کا ایک ایک لفظ پڑھ کر گواہی دے رہا ہوں کہ یہ وسیع معلومات پر مشتمل ہے، یہ جغرافیہ، ادب عربی اور تاریخ اسلام پر مشتمل ہے، اور حرمین شریفین سے براہ راست تعلق رکھنے والی کتاب ہے''۔

معتمد تعلیم ندوۃ العلماء مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی نے کہا کہ: ''جزیرۃ العرب کا موضوع تاریخی، علمی، ادبی اور اسلامی لحاظ سے نہایت اہمیت کا حامل ہے، یہ سیرت وادب، اور دیگر موضوعات پڑھنے والوں کے لیے بہت مفید ہے، ایمانی اور روحانی اہمیت کے علاوہ اگر عربوں کے قبائل اور ان کی خصوصیات سے واقفیت نہیں ہوں گے تو عربی ادب کو سمجھنا مشکل ہوگا، مثال کے طور پر جریر کا ایک شعر ہے:

فـغُـض الـطـرف إنك مـن نـمـیـر
فـلا كـعـبـاً بـلـغـت ولا كـلابـا

اس شعر میں جب تک کعب اور کلاب سے واقفیت نہیں ہوگی، شعر پورے طور پر سمجھا نہیں جاسکتا ہے، یہی وجہ ہے کہ جو حضرات عرب قبائل سے واقف نہیں ہوتے ہیں، وہ عربی اشعار کے ترجمے میں بڑی غلطیاں کرتے ہیں، یہ کتاب عرصہ سے مدارس کے نصاب میں داخل تھی، اور اس سے استفادہ کیا جارہا تھا، یہ اب تک اردو میں تھی تو اس کا دائرہ محدود تھا، اب عالمی زبان عربی میں منتقل ہوئی ہے تو اس کا دائرہ استفادہ وسیع ہوگیا ہے، مولوی محمد فرمان ندوی قابل مبارک باد ہیں کہ انہوں نے اس کو عربی میں منتقل کیا، جدید اصول تحقیق کے مطابق نقشے اور تاریخی معلومات بھی دی ہیں''۔

ایران سے تشریف لائے مہمان، دار العلوم زاہدان کے ڈاکٹر عبید اللہ نے کہا کہ: ''جزیرۃ العرب کی نسبت سے کوئی بھی چیز ہو وہ قابل تعظیم ہے، مزید یہ کتاب ایک علمی اور روحانی شخصیت کی

تصنیف کردہ ہے جو اصول تحقیق پر کھری اترتی ہے، انہوں نے طلباء کو ہمت وحوصلہ کے ساتھ علمی میدان میں آگے بڑھنے کی تلقین کی"۔

دار العلوم ندوۃ العلماء کے وکیل کلیۃ اللغۃ العربیۃ مولانا محمد علاء الدین ندوی نے تقریب رسم اجراء کی نظامت کرتے ہوئے کتاب کی اہمیت اور خصوصیات پر جامع انداز میں روشنی ڈالی، اور کہا کہ:

"جزیرۃ العرب" ایک مقبول، متداول اور نہایت اہمیت کی حامل کتاب ہے، کم از کم اردو زبان میں یہ اپنے موضوع پر سب سے پہلی تصنیف کی جانے والی کتاب ہے، اس کتاب کے بارے میں اس خاکسار کا ایک تأثر یہ ہے کہ استاد گرامی حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی نے پامال راستوں اور عام شاہراہوں کو چھوڑ کر اپنے لیے ایک دشوار، مگر نئے راستے کا انتخاب فرمایا تھا، یہ چیز اختراعی وخلاقی ذہن کی غمازی کرتی ہے، دوران تالیف حضرت مولانا کی خصوصی توجہ اس سمت رہی کہ جزیرۃ العرب کے جغرافیائی حالات اس طور پر بیان کر دیے جائیں کہ قرآن کریم میں مذکور تاریخی مقامات، حدیث شریف سے متعلق بہت سے واقعات، سیرت طیبہ اور عہد جاہلی کی زبان وادب میں وارد بہت سے مقامات، واقعات اور خود نصوص کی معنویت کو سمجھنے میں مدد ملے، کیونکہ جغرافیائی معلومات کے بغیر بہت سے تاریخی حقائق کو کما حقہ سمجھا ہی نہیں جا سکتا، عربی زبان کے سلسلے میں کن قبائل کو فصحاء العرب کو تسلیم کیا گیا ہے، اہل نحو ولغت نے کن عرب قبائل سے زبانیں لی ہیں۔

نجد کی سرزمین میں شعراء کیوں زیادہ پیدا ہوئے؟ اجاء وسلمی کی پہاڑیاں کہاں واقع ہیں؟ قبیلہ بنی عذرہ کہاں رہتا تھا؟ حیرہ کی سلطنت کہاں واقع تھی؟ غسانسہ کس خطۂ زمین میں حکمرانی کرتے تھے؟ سرحدی علاقوں میں رہنے والے وہ کون کون سے قبائل تھے جن کی زبانیں اہل نحو اور ماہرین لغت کے نزدیک (نحو اور لغت میں) قابل استشہاد نہیں ہیں، ان ساری باتوں کا تعلق جغرافیہ سے بھی ہے۔

حضرت مولانا کی یہ کتاب جسے شائقین نے ہاتھوں ہاتھ لیا، جسے اہل ذوق ونظر نے سراہا، جسے مدارس کے نصاب تعلیم میں شامل کرنے کی سفارش کی گئی، جسے اہل فضل وکمال نے علمی وادبی دنیا کے لیے وقت کی ایک اہم ضرورت سمجھا، اس کا پہلا ایڈیشن ۱۹۶۲ء میں منظر عام پر آیا تھا، اس پر متعدد اہل فکر ونظر اور اصحاب قلم کا تبصرہ سامنے آیا ہوگا، میں اس موقع پر اپنے وقت کے مشہور تبصرہ نگار، شاعر وصحافی، اسلامیات کا وسیع مطالعہ رکھنے والے جناب ماہر القادری مرحوم کے پانچ صفحات میں پھیلے ہوئے اس کتاب پہ تبصرے کی چند سطریں پیش کرتا ہوں، واقعہ یہ ہے کہ اردو زبان کو دوبارہ ان جیسا تبصرہ نگار نصیب نہیں ہوا، وہ لکھتے ہیں:

"یہ کتاب ہندوستان کے اس خانوادے کے ایک فرد کی لکھی ہوئی ہے جس کا شجرۂ نسب أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَ فَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ کا مصداق ہے، سارا گھرانا اللہ تعالیٰ کے دین کی خدمت میں لگا ہوا ہے، اور ع

یہاں تو روشنی ہی روشنی معلوم ہوتی ہے

ڈاکٹر سید عبد العلی حسنی رحمۃ اللہ علیہ اس دور انحطاط میں صحابہ کرام سے ملتی جلتی زندگی بسر کرتے تھے، انہیں کے نام سے اس کتاب کا انتساب کیا گیا ہے کہ مصنف ڈاکٹر صاحب کے تربیت یافتہ ہیں، اس کا پیش لفظ حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی مدظلہ (رحمۃ اللہ علیہ) نے تحریر فرمایا ہے۔

یہ کوئی ڈرامہ ناول یا افسانوں کی کتاب نہیں ہے، یہ جغرافیہ کی کتاب ہے، جس میں جگہ جگہ کثرت سے دریاؤں، چشموں، پہاڑوں، وادیوں اور بستیوں کے نام آئے ہیں، (جغرافیہ) خشک موضوع ہے، مگر ہم نے تھوڑے سے وقفے سے مسلسل دو نشستوں میں کتاب ختم کیا اور کتاب ختم کرنے کے بعد طبیعت گراں نہیں، چست اور نشاط آمیز تھی"۔ [ماہر القادری کے تبصرے، ص/۱۲۳]

پانچویں صفحہ میں تبصرہ نگار نے ان الفاظ میں اپنے تبصرے کا اختتام کیا ہے:

"جناب مولانا سید محمد رابع حسنی اس کتاب کی تصنیف وتالیف میں علمی دنیا اور خاص طور سے اسلامی دنیا کی طرف سے قدر وستائش کے مستحق ہیں، جغرافیہ کے ساتھ تاریخ وادب کے امتزاج نے اس کتاب کی جامعیت اور افادیت میں اضافہ کر دیا ہے"۔ [فاران، جنوری ۱۹۶۳ء]

اس کتاب میں نیا کیا ہے؟

"جزیرۃ العرب" کے اس عربی نسخے کا یہ پہلا ایڈیشن ۲۱۷ صفحات پر مشتمل ہے، اس عربی قالب میں مندرجہ ذیل نئی باتیں نظر آئیں:

۱- کلمة الناشر کے عنوان سے مولانا سید محمد واضح رشید ندوی کی قیمتی تحریر ہے، جس میں عہد جاہلی اور عصر اسلامی میں عربی زبان وادب اور سیرت طیبہ کے مطالعہ کے لیے جغرافیہ کی اہمیت و ضرورت پر روشنی ڈالی ہے۔

۲- کلمة المؤلف للطبعة العربية کے عنوان سے حضرت مصنف مدظلہ کی وقیع تحریر ہے، جس میں حجاز مقدس کے حوالے سے اس موضوع کی عظمت واہمیت کو باور کرایا ہے۔

۳- التقديم دو صفحات پر مشتمل مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی کے قلم کی نمود ہے، جس میں آپ نے اس کتاب کی قدر وقیمت پر اپنے پر مغز اور قیمتی خیالات پیش فرمائے ہیں۔

۴- اس کتاب میں نیا پن یہ ہے کہ اب

''جزیرۃ العرب'' کا عربی قالب پندرہ ابواب میں تقسیم کردیا گیا ہے۔

۵-ایک نئی چیز یہ ہے کہ مترجم نے کہیں کہیں پر جہاں انہوں نے ضرورت سمجھی حاشیہ آرائی کی ہے، خصوصیت سے مسجد حرام اور مسجد نبوی کی تاریخی تعمیراتی کاموں پر روشنی ڈالی ہے۔

جزیرۃ العرب معلومات سے لبریز کتاب ہے، جس سے اسلامیات کے طالب علم عمومی طور پر اور قرآن کریم، سیرت النبیؐ اور ادب عربی کے طالب علم بطور خاص کسی طرح سے صرف نظر نہیں کرسکتا، یہ کتاب اپنے آپ میں اتنی جامع ہے کہ ادھر جدید تمدن نے انسانوں کے سامنے معلومات کا جو خزانہ انڈیل دیا ہے، ان کی روشنی میں حاشیہ آرائی کا کام کیا جائے تو یہ کتاب ایک کے بجائے پانچ جلدوں تک پہنچ سکتی ہے۔

جزیرۃ العرب کا یہ عربی جامہ ظاہر و باطن ہر اعتبار سے دلکش و دیدہ زیب ہے، حضرت مولانا اپنے اسلوب نگارش کی سادگی و شگفتگی میں اپنی مثال نہیں رکھتے، عربی ترجمے میں اس خوبی کو برقرار رکھنے کی پوری کوشش کی ہے۔

واضح رہے کہ اس کتاب کا پہلا ایڈیشن ۱۹۶۲ء میں شائع ہوا، اسی وقت سے دار العلوم ندوۃ العلماء کے نصاب میں داخل ہے، چونکہ یہ کتاب اپنے موضوع پر جامع اور مکمل اور مرتب ہے، اس لیے اس کے عربی ترجمہ کی ضرورت تھی، مترجم مولوی محمد فرمان ندوی نے آیات، احادیث، اشعار کے اشاریے، جابجا مفید حواشی اور جدید نقشوں سے مزین کیا، کتاب مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ سے شائع ہوئی، اس پر مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے اردو مقدمہ کا بھی ترجمہ شامل ہے۔

☆☆☆☆☆

مجلس تحقیقات ونشریات اسلام کی جدید ودیدہ زیب طباعت

☆ مذہب وتمدن

اس میں بتایا گیا ہے کہ کائنات، خالق کائنات اور مقصدِ حیات کے بارے میں صحیح عقیدہ اور صحیح علم ہی پر ایک استوار معاشرہ اور صالح تہذیب وتمدن کی عمارت قائم ہوتی ہے، دنیا اب تک جن تہذیبی ادوار سے گزر چکی ہے، وہ کن عقائد ونظریات کی پیداوار تھیں اور اسلام سے کس طرح ایک صالح اور صحت مند تمدن کا وجود ہوتا ہے؟

از حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ

کل صفحات: ۹۲ قیمت: ۸۰ر روپے

☆ جزيرة العرب (تاريخياً، ثقافياً وجغرافياً)

'جزیرۃ العرب' (جغرافیہ، تاریخ، تہذیب وثقافت) کا عربی ترجمہ

جزیرہ نمائے عرب جس کا مرکزی خطہ علاقۂ حجاز ہے، جہاں سے اسلام کی اولین شعاعیں نکلیں، یہ کن خطوں پر مشتمل ہے، عصر اول میں ان کی کیا خصوصیات رہی ہیں، ان سب باتوں کا جغرافی وثقافتی جائزہ

از حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ

عربی ترجمہ: مولانا محمد فرمان ندوی (استاد دار العلوم ندوۃ العلماء)

کل صفحات: ۲۱۷ قیمت: ۲۰۰ر روپے

مجلس تحقیقات ونشریات اسلام

پوسٹ بکس نمبر ۹۳، ندوہ کیمپس، ندوۃ العلماء، لکھنؤ

فون نمبر: 0522-2741539، موبائل نمبر: 9889378176

ای میل: airpnadwa@gmail.com

عامر کمپیوٹرس

AMIR COMPUTERS

مناسب رعایت کا ایک معتبر کمپوزنگ و پرنٹنگ سنٹر

۱۱ر شباب مارکیٹ، ندوہ روڈ، لکھنؤ

موبائل نمبر: 0522-4017399, 9305202797

Email: amircomputerslucknow@gmail.com

فقہ وفتاویٰ

سوال وجواب

مفتی محمد ظفر عالم ندوی

سوال: ایجوکیشن لون لینا کیسا ہے، جس پر بہت معمولی سود لیا جاتا ہے؟

جواب: ایسا قرض جس میں سود (دینا لینا پڑے وہ درست نہیں ہے خواہ سود کی شرح معمولی ہو، البتہ اگر کوئی طالب علم کسی خاص نوعیت کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کا اہل ہو، اور خود اس کے پاس اتنے پیسے نہیں ہیں کہ وہ قرض لیے بغیر تعلیم حاصل کر سکے اور اس مقصد کے لیے کسی اور جگہ سے غیر سودی قرض حاصل کرنے سے بھی قاصر ہو تو اس کے لیے کسی مفتی سے مشورہ کر کے ایجوکیشن لون لینا درست ہے کیونکہ حاجت کے موقع پر اس طرح کا قرض لیا جا سکتا ہے: "یجوز للمحتاج الاستقراض بالربح"۔

[الاشباہ والنظائر: ج۱/ص۲۹۴]

سوال: کیا کوئی مسلمان بینک اور انشورنس کمپنی میں ملازمت کر سکتا ہے؟

جواب: بینک بنیادی طور پر سودی کاروبار کرتا ہے، سود پر اپنا سرمایہ لگاتا ہے، اور اپنے کھاتہ داروں کو سود ادا کرتا ہے، اسی طرح انشورنس کی تقریباً تمام صورتوں میں جوا پایا جاتا ہے، اور بعض صورتوں میں جوے کے ساتھ ساتھ سود بھی پایا جاتا ہے، اس لیے بینک اور انشورنس کمپنی میں ملازمت جائز نہیں، یہ گناہ میں تعاون ہے، اور اللہ تعالیٰ نے گناہ میں تعاون سے منع فرمایا ہے: "وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الاثمِ وَالعُدْوَانِ" [المائدۃ:۲]، البتہ چوتھے درجہ کی ملازمت جس میں ملازم کو لکھنا پڑھنا، حساب وکتاب کرنا، پیسوں کا لینا دینا وغیرہ نہیں کرنا پڑتا ہے، جیسے گارڈ اور چپراسی وغیرہ کی ملازمت ہے تو اس کی گنجائش ہے۔

[جامع ترمذی، حدیث نمبر:۱۲۰۶]

سوال: کریڈٹ کارڈ کا کیا حکم ہے، خاص کر ایسی صورت میں جب کہ مقررہ مدت کے اندر پیسہ ادا کر دے اور سود دینے کی نوبت نہ آئے؟

جواب: کریڈٹ کارڈ میں شرعی نقطہ نظر سے دو بنیادی مفاسد ہیں: ایک یہ کہ اس سے فضول خرچی کا رجحان پیدا ہوتا ہے، آدمی اپنی صلاحیت سے بڑھ کے خریداری کرنے لگتا ہے اور شریعت میں فضول خرچی کو منع کیا گیا ہے، دوسرے یہ کہ چاہے خریدار مدت مقررہ کے اندر پیسہ ادا کر دے اور سود دینے کی نوبت نہ آئے لیکن معاہدہ میں یہ بات شامل ہوتی ہے کہ اگر مدت مقررہ میں پیسے ادا نہیں کیے گئے تو سود دینا ہوگا، لہٰذا چاہے خریدار سود کے عمل میں ملوث نہ ہو، لیکن سودی معاملہ کرنے میں ملوث ہوگا، دوسری طرف یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ کریڈٹ کارڈ سے جو جائز فائدے حاصل کیے جا سکتے ہیں وہ ڈیبٹ کارڈ سے بھی حاصل کیے جا سکتے ہیں، لہٰذا ڈیبٹ کارڈ سے اس ضرورت کو پورا کر لیا جائے، ہاں اگر قانونی مجبوری ہوئی تو اس وقت اس کی گنجائش ہو سکے گی: "وَالَّذِينَ إِذَا أَنْفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَلِكَ قَوَاماً" [الفرقان:۶۷] "اَلَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَوا لَا يَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَسِّ"۔[البقرۃ:۲۷۵]

سوال: ایک کمپنی حکومت کے قوانین کے مطابق پراویڈنٹ فنڈ کے نام پر ملازمت کی تنخواہ سے کچھ حصہ وضع کرتی ہے پھر اس وضع شدہ حصہ کی کسی فائنانس کمپنی میں سرمایہ کاری کرتی ہے، پھر کمپنی سے علیحدگی کے وقت ملازم کو اضافہ کے ساتھ رقم دی جاتی ہے، کیا اس کا لینا درست ہے؟

جواب: کمپنی نے ملازم کی تنخواہ میں سے کچھ رقم وضع کر لیا اور کچھ رقم اپنی طرف سے اضافہ کر کے دیا تو یہ جائز ہے، یہ اضافہ شدہ رقم سود نہیں ہے بلکہ یہ اجرت میں داخل ہے جو ملازم کی محنت کے عوض دی جا رہی ہے، جو رقم کمپنی نے وضع کر لی وہ ابھی ملازم کی ملک میں داخل ہی نہیں ہوئی، یہ ابھی کمپنی کے ذمہ دین ہے، اور زائد رقم اس کی طرف سے اجرت یا عطیہ ہے۔

[فتاویٰ ہندیہ: ج۳/ص۱۱۷]

سوال: پراویڈنٹ فنڈ کا جو حصہ لازمی طور پر وضع کیا جاتا ہے، بعض ملازمین اس کے علاوہ بھی مزید اپنے اختیار سے وضع کراتے ہیں اور علیحدگی کے وقت اس اختیاری وضع کردہ رقم پر بھی اضافی رقم حاصل ہوتی ہے، اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: جو رقم اختیاری طور پر ملازمین کمپنی کے حوالہ کرتے ہیں، اس پر دی جانے والی زائد رقم سود میں شامل ہے کیونکہ ایک ایسی رقم جو ملازم کی ملکیت میں آ چکی ہے اور جس کا لے لینا ملازم کے اختیار میں ہے، اسے ملازم نے کمپنی کو یہ کہہ کر حوالہ کیا کہ وہ اسے ایک مدت تک اپنے پاس رکھے اور بعد میں اضافہ کے ساتھ واپس کر دے، شرع اسلامی میں اسی کو سود کہتے ہیں، جو حرام ہے: "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ لَا تَأْكُلُوا الرِّبَا أَضْعَافاً مُضَاعَفَةً"۔

☆☆☆☆☆

NADWATUL-ULAMA
PO. BOX 93, TAGORE MARG, LUCKNOW
226007 U. P. (INDIA)

ندوۃ العلماء
پوسٹ باکس ۹۳، ٹیگور مارگ، لکھنؤ
۲۲۶۰۰۷ یوپی (ہند)

باسمہٖ تعالیٰ

اہل خیر حضرات سے!

خدا کا شکر ہے کہ ہم ان بیش قیمت اصولوں کو سینہ سے لگائے ہوئے ہیں جن کے لیے دارالعلوم قائم کیا گیا تھا یعنی جدید زمانہ میں اسلام کی مؤثر اور صحیح ترجمانی، دین و دنیا کی جامعیت اور علم و روحانیت کے اجتماع کی کوشش، فتنۂ لادینیت اور ذہنی ارتداد کا مقابلہ، اسلام پر اعتماد اور علوم اسلامیہ کی برتری و امتیاز کا اعلان و اظہار، دین حق سے وفاداری اور شریعت پر استقامت، ہمارے نزدیک مالیات، بجٹ اور عظیم الشان عمارتوں کے مقابلہ میں ان مذکورہ مقاصد کا حصول زیادہ اہم ہے، مسئلہ کی اس قدر تشریح اور وضاحت کے بعد اب مزید کچھ کہنے کی حاجت نہیں۔

ان گذارشات کے بعد آپ سے ہماری درخواست ہے کہ وقت کی اس ضرورت اور دارالعلوم کی افادیت کو سمجھتے ہوئے پوری فراخدلی، فیاضی اور ہمت سے کام لے کر ان تمام کاموں میں بھرپور تعاون و اعانت فرمائیں کہ ہندوستان میں دین کے قلعوں کی حفاظت کی اس سے بہتر کوئی سبیل اور اس سے زیادہ پائیدار کوئی صدقہ جاریہ نہیں، آپ میں سے جو لوگ ندوۃ العلماء کے پچاسی سالہ جشن میں شریک تھے، ان کو یاد ہوگا کہ ندوۃ العلماء کے پچاسی سالہ اجلاس کو خطاب کرتے ہوئے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے غیر ملکی معزز عرب مہمانوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا تھا: ''یہ سونے کی چڑیاں سب اُڑ جائیں گی، ہم اور آپ یہاں رہیں گے، آپ یہ نہ سمجھیں کہ اب آپ کو چھٹی مل گئی، ہم آپ کو چھوڑنے والے نہیں، ہمارے سفیر آپ کے گھروں پر جائیں گے، آپ کے چار آنے، آٹھ آنے ہم کو عزیز ہیں، یہ جو کچھ دیں گے وہ اس دولت کا ہزارواں حصہ ہوگا جو خدا نے ان کو دیا ہے، اور جو آپ دیں گے وہ آپ کے گاڑھے پسینہ کی کمائی ہوگی۔''

ہندوستان کے مسلمانوں سے خواہ وہ اس طویل و عریض ملک کے کسی علاقہ کے ہوں، ہماری مکرر درخواست ہے کہ وہ اس کام کی اہمیت کو سمجھیں اور اس کو اپنا ہی کام سمجھیں، ہمیں یقین ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات عالی پر پورا بھروسہ ہے کہ ان شاء اللہ ناظم ندوۃ العلماء حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ کی بیش قیمت رہنمائی و نظامت میں اگر احباب و مخلصین نے پوری دلچسپی لی تو ہمارا یہ پیغام نہ صرف ملک کے بلکہ عالم اسلام کے کونے کونے میں پہنچے گا، وما ذلك على الله بعزيز.

(مولانا) محمد واضح رشید ندوی	(پروفیسر) اطہر حسین	(مولانا) سعید الرحمٰن اعظمی ندوی	(مولانا) محمد حمزہ حسنی ندوی
معتمد تعلیم ندوۃ العلماء	معتمد مال ندوۃ العلماء	مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء	ناظر عام ندوۃ العلماء

نوٹ: چک/ڈرافٹ پر صرف یہ لکھیں: **NADWATUL ULAMA**

(عطیات) A/C NO. 10863759711

(زکوٰۃ) A/C NO. 10863759766 (State Bank of India Main Branch, Lucknow.)

اور اس پتہ پر ارسال کریں:

NAZIM NADWATUL ULAMA,
NIZAMAT OFFICE, NADWATUL ULAMA,
TAGORE MARG, LUCKNOW - 226007 (U.P.)

Phone : (91-522) 2741231, 2741316, 2740151, Fax : 2741221
E-mail address : nadwa@sancharnet.in/ website : www.nadwatululam.org.